بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا محدث حنفی کے اصلاح و تحقیق کے افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 31 شمارہ: 01

جنوری ۲۰۱۱ء / محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

حُسنِ ترتیب

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25- جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ «ادارہ»

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

خانقاہ قادریہ رضویہ بریلی شریف

اپنی بات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

امام احمد رضا خاں محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز اپنے والد ماجد حضرت علامہ مولانا مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (المتوفی1297ھ/1880ء) کے ساتھ خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں خانوادۂ برکاتیہ کے شیخِ طریقت حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی (المتوفی 1879ء)سے 1294ھ/1877ء میں بیعت ہوئے اس وقت آپ کی عمر 22 سال تھی مگر بعض مورخین نے اس بیعت کو1289ھ/1873ء بھی بتایا ہے۔

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی بیعت ہونے سے قبل 14 سال سے بھی کم عمر میں تمام علوم و فنون میں فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی کی حیات ہی میں 14 سال سے بھی کم عمر میں اپنے دادا حضرت مفتی رضا علی خاں نقشبندی بریلوی (المتوفی 1282ھ/1865ء) علیہ الرحمۃ کی قائم کردہ مسند افتا سے 55 سال فتاویٰ نویسی فرما کر شریعت محمدی کی خدمت انجام دی جو کہ اس خاندان میں چھٹی پشت میں آج بھی جاری و ساری ہے یعنی پچھلے 185 سال سے یہ خاندانِ بریلی خدمتِ دین انجام دے رہا ہے۔

امام احمد رضا نے مسندِ افتا کے ساتھ ہی اس خاندان میں دارالعلوم منظر اسلام 1322ھ میں قائم کرکے ایک اور اہم اور بنیادی خدمت انجام دی۔ چنانچہ اول ان کے صاحبزادگان حضرت مفتی حامد رضا خاں قادری رضوی بریلوی (المتوفی 1362ھ/1943ء) اور مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری رضوی نوری بریلوی (المتوفی 1402ھ/1981ء) دارالعلوم منظر اسلام میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے اور آج امام احمد رضا کے پوتے کے پوتے یعنی مفتی سبحان رضا خاں سبحانی قادری رضوی بریلوی اور ان کے صاحبزادگان بھی منظر اسلام میں تدریسی اور تنظیمی خدمات انجام دے رہے ہیں جہاں عالم اسلام کے اور دیگر غیر اسلامی ممالک سے بھی آئے ہوئے ہزاروں مسلمان طالب علم دین اسلام کے علوم کے زیور سے آراستہ ہو رہے ہیں اور امام احمد رضا کے لگائے ہوئے اس علمی باغ کی خوشبوؤں سے دنیا کو مہکا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس دارالعلوم کی خدمت امام احمد رضا کے اجلّہ تلامذہ، خلفاء اور معتقدین بھی انجام دیتے رہے ہیں جنھوں نے بعد میں پاک و ہند کے علاوہ دنیا کے تمام ہی Continents میں اور بیشتر ممالک میں اسی دارالعلوم کی شاخیں قائم کی ہیں جن میں سرفہرست نام امام احمد رضا کے خلیفۂ اجل "سفیر تعلیمات رضا" حضرت علامہ مولانا مبلغ اعظم عالم اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری رضوی میرٹھی (المتوفی 1373ھ/1954ء) (مدفون جنت البقیع قدمین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں جنھوں نے 60 سے زیادہ ملکوں میں امام احمد رضا کے نمائندے اور خلیفہ کی حیثیت سے امام احمد رضا کی تعلیمات پہنچائیں اور وہاں ادارے، اسکول اور مدارس قائم فرمائے۔ برصغیر پاک و ہند میں بے شمار مدارس امام احمد رضا کے تلامذہ اور خلفاء کے قائم کئے ہوئے درس و تدریس کے ذریعے مسلک اعلیٰ حضرت اور مسلک اہلسنت و جماعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ العزیز اگرچہ کم عمر میں مستند عالم دین اور مستند مفتی تسلیم کیے جا چکے تھے مگر آپ کی خدمات عالیہ دینی مسائل میں اس قدر وسیع اور قابل رشک تھیں کہ اوّل علماءِ پاک و ہند کی طرف سے 1318ھ/1900ء میں آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا گیا اور پھر دوسرے صبح کے بعد علماءِ عرب میں مکمل تعارف ہونے کے

بعد متعدد علماءِ عرب و عجم نے آپ کی علمی استعداد اور صلاحیتوں اور علمی کارناموں کے باعث 1330ھ /1912ء میں آپ کو چودھویں صدی کا سب سے بڑا اور مستند عالم اور مجدد قرار دیا۔

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی جب خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں حضرت شاہ آلِ رسول قادری برکاتی علیہ الرحمۃ سے مرید ہوئے تو آپ نے اسی وقت 13 سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت بھی عطا کر دی مگر آپ کا میلان شروع سے ہی سلسلۂ قادریہ کی طرف رہا اس لیے آپ نے اپنے نام کے ساتھ ہی قادری استعمال فرمایا چنانچہ آپ اپنی مہر افتا میں اپنے نام کے ساتھ احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری برکاتی رقم فرماتے تھے۔ اس موقع پر جب کہ آپ کو بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت بھی دے دی گئی اس پر وہاں موجود حضرت کے احباب نے حیرت کا اظہار کیا کیونکہ اس خانقاہ میں بیعت ہونے کے بعد برسہابرس مریدین مرشد کی خدمت میں چلہ کشی اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں اس پر بھی بعض لوگوں پر شیخ کی نظر نہ ہوتی اور ان کو خلافت نہیں دی جاتی مگر یہ تو 17 سال یا 21 سال کے نوجوان عالم دین ہیں اور ان کو یک مشت ہی تمام سلاسل میں اجازت و خلافت دے دی گئی۔ لوگوں کی اس حیرت اور گھٹن کو محسوس کیا اور خود ہی فرمایا:

"لوگ آتے ہیں انھیں بنانا اور ستھرا کرنا پڑتا ہے مگر مولوی احمد رضا بنے سنورے آئے تھے صرف ان کو سلسلے میں جوڑنے کی ضرورت تھی وہ میں نے پوری کر دی"

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے بیعت کے اس اہم واقعے کی تفصیل مولانا حسنین رضا قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے بیعت کے اس اہم واقعے کی تفصیل مولانا حسنین رضا خاں قادری رضوی بریلوی ابن حضرت مولانا حسن رضا خاں قادری رضوی بریلوی (المتوفی 1326ھ) جو آپ کے سگے بھتیجے ہیں اپنی کتاب "سیرت اعلیٰ حضرت" میں رقمطراز ہیں:

"امام احمد رضا جب کی اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ مارہرہ شریف کے آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے سجادہ حضرت سیدنا و مولانا آلِ رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی انھوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:

"آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے"

اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ان سے بیعت ہوئے اور اسی وقت مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دست کرم سے رکھ دیا۔ ایک خلش جس کے لیے اعلیٰ حضرت روتے تھے رب العزت نے نکال دی۔ شریعت کی تعلیم و تربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیرو مرشد نے کرا دی اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ شریعت و طریقت دونوں کے امام ہو گئے۔

اس کے بعد مولانا حسنین رضا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ لوگوں کے استفسار پر کہ آپ نے ان کو فوراً خلافت کیوں دے دی جواب دیا:

"تم کیا جانو، یہ بالکل تیار آئے تھے انھیں صرف نسبت کی ضرورت تھی جو یہاں آکر وہ ضرورت بھی پوری ہو گئی یہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ رب العزت دریافت فرمائے گا کہ اے آلِ رسول تو دنیا سے ہمارے لیے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔"

سیدنا آلِ رسول قادری برکاتی علیہ الرحمۃ کے ان خیالات کو شاعر نے یوں پیش کیا ہے۔

روز محشر اگر مجھ سے پوچھے خدا
بول آلِ رسول تو لایا ہے کیا
پیش کر دوں گا حاضر ہے احمد رضا
یا خدا یہ امانت سلامت رہے

امام احمد رضا نے تاج طریقت کے بعد کب اپنے سلسلے میں لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا اس سلسلے میں میرے پاس کوئی مستند

تاریخ تحقیق میں نہیں یا امام احمد رضا نے کبھی کسی بھی شخص کو اپنے ہاتھ پر بیعت کر کے خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی بنیاد ڈالی یہ بھی میری تحقیق سے بالاتر ہے کیونکہ یہ ریکارڈ محفوظ رہنا مشکل نظر آتا ہے لیکن میرا قیاس امام احمد رضا سے متعلق یہ نیک گمان رکھتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو 14 سال سے کم عمر میں مستند عالم دین اور مفتی دین اسلام پر فائز کر دیا اسی طرح طریقت کی امامت بھی 17 یا 22 سال کی عمر میں عطا فرمادی اور آپ نے باطن کی پیاس بجھانے والوں کے لیے اہتمام شروع کر دیا اس لیے احقر کے قیاس میں خانقاہ قادریہ رضویہ کی بنیاد 1289ھ یا 1294ھ میں رکھی گئی ہوگی اور آپ نے اپنی اس خانقاہ کو تقریباً نصف صدی تک سینچا اور لوگوں کو نہ صرف شریعت کی تعلیم دی بلکہ معرفت رموزوں سے بھی آگاہی دی۔ آپ نے زمانے کے حالات اور آنے والے وقت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو شریعت کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی اور ساتھ ہی محبت رسول ﷺ سے لوگوں کو شریعت کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی اور ساتھ ہی محبتِ رسول ﷺ سے لوگوں کے دلوں کو سرشار کیا ایک جگہ اس کی تعلیم دیتے ہوئے اپنی کتاب "مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء" المعروف بہ شریعت و طریقت میں خطبۂ کتاب میں رقم طراز ہیں:

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے شریعت نازل فرمائی اور اس کو اپنی طرف کا وصول کا ذریعہ یعنی وسیلہ بنایا۔ اس کی طرف جانے والے کا کوئی اور راستہ ہو تو وہ ناکام ہو۔

تمام رسولوں سے اکرم پر افضل الصلوٰۃ اور اکمل سلام ہوں جو سلامتی کی راہ کی سب سے بہتر دعوت دینے والے ہیں۔ یہ وہ ذات ہے جس کی شریعت ہی طریقت اور عین حقیقت ہے اور اسی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں وصول ہے اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ جہنم میں پہنچے گا۔"

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی اسی شریعت اور طریقت کو سمجھاتے ہوئے اسی کتاب میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

"بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ ہر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔"

آگے چل کر مزید شریعت اور طریقت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اے عزیز شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی۔ پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس کی بنیاد پر ہوا میں چنے گئے اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو (بنیاد) کی زیادہ محتاج ہوگی۔"

امام احمد رضا نے اپنے فرزندان طریقت کی تعلیمات کے لیے بے شمار مقامات پر اوراد و وظائف تحریر فرمائے ہیں جنھیں اہلِ طریقت اپنی اپنی استعداد، صلاحیتوں اور تقویٰ طہارت کے پیمانے کے ساتھ بروئے کار لاتے رہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی منزلیں طے کرتے رہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے بہت کچھ لکھا مگر اپنے شجرۂ مبارکہ میں "تصور شیخ" کے عنوان سے ایک بہت ہی بنیادی تعلیم کا اہتمام کیا اور ایہ احساس دلایا کہ جب تم کسی کے مرید ہو گئے تو اب اس کے تصور کے ساتھ زندگی گذارو اور وہ تمھارے ساتھ ساتھ ہوگا اور تمہاری مدد کرے گا غالباً امام احمد رضا سلسلۂ قادریہ کے بانی حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدے کے ان اشعار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وولّانی علی الاقطاب جمعاً
فحکمی نافذٌ فی کل حال

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام اقطاب پر حاکم بنایا
پس میرا حکم ہر حالت میں جاری ہے

مریدی لاتخف اللہ ربی
عطانی رفعۃ نلت المنالی

اے میرے مرید کسی سے مت ڈر اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے
اس نے مجھے بلندی عطا فرمائی ہے کہ جس سے میں اپنی مطلوبہ آرزو کو پالیتا ہوں۔ چنانچہ تصور شیخ کی اہمیت اور افادیت کو

وہ یوں رقم فرماتے ہیں:

"خلوت میں آوازوں سے دور روبمکانِ شیخ اور وصال ہو گیا تو جس طرف مزارِ شیخ ہو ادھر متوجہ بیٹھے۔ محض خاموش، باادب، بکمال خشوع اور صورت شیخ کا تصور کرے اور اپنے آپ کو اس کے حضور حاضر جانے اور یہ خیال جمائے کہ سرکارِ رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے انوار وفیوض شیخ کے قلب پر مسلسل فائض ہو رہے ہیں میرا قلب قلبِ شیخ کے نیچے موجود ہے۔ اس میں سے انوار وفیوض ابل ابل کر میرے دل میں آرہے ہیں۔ اس تصور کو بڑھائے یہاں تک کہ جم جائے اور تکلف کی حاجت نہ رہے اس کی انتہا پر صورت شیخ خود متشکل ہو کر مرید کے ساتھ رہے گی اور ہر کام میں مدد کرے گی اور اس راہ میں جو مشکل اسے پیش آئے گی اس کا حل بتائے گی۔"

اس کے بعد چند تنبیہ بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اوّل: اذکار واشغال میں مشغول سے پہلے اگر قضا نمازیں یا روزے ہوں ان کا ادا کر لینا جس قدر ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔

دوم: اذکار واشغال کے لیے 3 باتوں کا اہتمام ضروری ہے:

(۱) کم کھانا: انسان چست رہے گا اور شیطانی خیالات بھی کم آئیں گے۔

(۲) کم بولنا: فضول باتوں سے زبان محفوظ رکھے۔

(۳) کم سونا: انسان جتنا سوتا ہے زندگی کے اوقات ضائع کرتا ہے۔

امام احمد رضا کی سیرت کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ جس دن آپ بالغ ہوئے اس دن سے وصال تک ایک نماز بھی قضا نہ ہوئی اور نہ روزے کبھی قضا ہوئے۔ 24 گھنٹے میں صرف 2 گھنٹے کے لیے رات میں بستر پر آرام کرتے یا دوپہر کو کھانا کھا کر سنت رسول کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ فرماتے۔ زبان صرف دینی باتوں کے لیے استعمال کرتے۔ 22 گھنٹے دین کی خدمت میں مصروف رہتے اور اسی طرح کھانے پینے میں زیادہ وقت صرف نہ فرماتے اور نہ زیادہ کھاتے اور اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت کا یہ عالم کہ فرمایا کہ:

خدا کی قسم اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں تو ایک پر لکھا ہو گا لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہو گا محمد رسول اللہ ﷺ۔

قارئینِ کرام!

آپ نے سلسلۂ قادریہ رضویہ کے بانی الشیخ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ کا انتہائی مختصر علمی اور روحانی تعارف ملاحظہ کیا جنھوں نے اپنے خاندان بریلی میں 1294ھ میں خانقاہ قادریہ رضویہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کی ظاہری وباطنی اصلاح کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اس کے لیے اپنی ذات کو ایک اعلیٰ ترین نمونہ بنا کر پیش کیا جو ہمارے اسلاف کے 14 سو سالہ تاریخ کا عکس بھی ہے کہ ہمارے اسلاف نے خانقاہی سلسلے کو کس طرح اپنے اخلاق و کردار سے سنوارا اور لوگوں کی تربیت فرمائی۔ یہاں خانقاہی نظام یا امام احمد رضا کے سلسلۂ طریقت کے ورد ووظائف یا دیگر معمولات پر تفصیل میں جانا نہیں چاہتا صرف یہ بتانا چاہوں گا کہ امام احمد رضا نے جو یہ طریقت کا پودا 1294ھ میں لگایا تھا آج کتنا بڑا اور کتنا وسیع پھل دار درخت بن چکا ہے۔

امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی نے اپنے دونوں صاحبزادگان کے علاوہ متعدد علماء و مشائخ جن کا تعلق عرب و عجم دونوں سے ہے اپنے سلسلہ قادری رضوی کی اجازت و خلافت عطا فرماتے ایک محتاط اندازے کے مطابق 25 سے زیادہ خلفاء کا تعلق عرب کی دنیا سے ہے جب کہ پاک وہند میں یہ تعداد 80 سے بھی زیادہ متجاوز ہے۔ عرب کے خلفاء سے متعلق میری تحقیق زیادہ نہیں کہ آیا تمام کہ تمام خلفائے اعلیٰ حضرت نے سلسلہ قادریہ رضویہ کو آگے بڑھایا یا نہیں مگر چند کے متعلق یہ معلومات موجود ہیں کہ عرب میں کئی خانقاہوں میں امام احمد رضا کے سلسلے کو فروغ مل رہا ہے۔ البتہ پاک وہند میں اب خلفاء کے خلفاء اور ان کے خلفاء اور اسی طرح حضرت حامد رضا خاں قادری اور سجادہ نشین اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے خلفاء کی تعداد اب سینکڑوں میں ہے جو

مختلف علاقوں میں خانقاہ قادریہ رضویہ کو فروغ دے رہے ہیں اور سب سے زیادہ مفتی اعظم ہند کے خلفاء نے بے شمار خانقاہیں قائم کیں اور ان کے خلفاء کے خلفاء بھی اسی خانقاہوں کو فروغ دے رہے ہیں۔ اسی طرح پاک وہند میں اب یہ تعداد اگر ہزار سے بھی تجاوز کر چکی ہو تو تعجب نہ ہو اگر کوئی شخص اسلامی تاریخ کے اندر پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو بہت آرام سے خانقاہ قادریہ رضویہ کی خدمات پر کام کر سکتا ہے جس کے دوران وہ تمام ذیلی خانقاہوں کو مرکز سے مربوط کر سکے گا اور یہ تاریخ کے اعتبار سے بہت اہم کام ہو گا۔

قارئین کرام! اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں اول سلسلۂ چشتیہ نے بہت فروغ پایا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پاک وہند میں اس کی بنیاد قائم کی اور تسلسل کے ساتھ یہ سلسلہ صدیوں علم وعرفاں کے خزانے تقسیم کرتا رہا۔ اسی دوران شیخ بہاالدین شطاری (المتوفی 921ھ) علیہ الرحمہ نے 10ویں صدی ہجری میں سلسلۂ قادریہ کی ہند میں بنیاد ڈالی جس کو اوّل حضرت پیر سید محمد کالپوی(م 1071ھ) اور بعد میں سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی (المتوفی 1142ھ) نے سلسلۂ کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا اور آج اس سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کو اہل مارہرہ بہت فروغ دے رہے ہیں اور دوسری طرف سلسلۂ قادریہ کو امام احمد رضا نے بہت فروغ دیا اور آج الحمدللہ کوئی برِ اعظم ایسا نہیں جہاں امام احمد رضا کے خلفاء کے خلفاء یا ان کے صاحبزادگان کے خلفاء کے خلفاء خانقاہ قادریہ رضویہ کی تعلیمات کو فروغ نہ دے رہے ہوں اور امام احمد رضا نے نہ صرف قادریوں کے دلوں میں جگہ کی ہوئی ہے بلکہ تمام سلاسل کی خانقاہوں میں امام احمد رضا کی نعتیں اور سلام کی آواز گونجتی ہے جو اس بات کا بین ثبوت بھی ہے کہ امام احمد رضا اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہوں کے مقبول بندوں میں ہیں اور شاید یہ بات مبالغہ آرائی قرار دی جائے مگر شاید حقیقت بھی ہو کہ آج تمام دنیا میں عموماً اور پاک وہند میں اور ایشا میں بالخصوص تمام خانقاہوں کو اگر علمی سہارا ہے تو امام احمد رضا کی تعلیمات ہی کا ہے کہ آج ہر کوئی صلاۃ وسلام اور قیام کرنے والا بریلوی کہلاتا ہے جو کہ ایک شعار بن گیا ہے۔ لہٰذا شاعر نے سچ کہا۔

نعرہ فیض رضا کا لگاتا رہوں
دشمنوں کے دلوں کو جلاتا رہوں
اور کلام رضا میں سناتا رہوں
تا کہ عشق رضا یوں سلامت رہے

قارئین کرام! خانقاہ قادریہ رضویہ بریلی شریف اس وقت تمام اہلِ سنّت کی مرکزیت ہے خداوند کریم اس کو قیامت تک کے لیے سلامت رکھے۔

اے بریلی میرا باغ جنت ہے تو
یعنی جلوہ گاہ اعلیٰ حضرت ہے تو
بالیقین مرکزِ اہلِ سنّت ہے تو
یہ تیری مرکزیت سلامت رہے
مسلک اہلِ سنّت سلامت رہے
مسلک اعلیٰ حضرت سلامت رہے

☆☆☆☆☆

سانحۂ ارتحال

ادارے کی اسلام آباد شاخ کے ایک انتہائی مخلص کارکن اور معاون جناب مجاہد محمد رفیق نقشبندی گزشتہ دنوں محض چند روز علیل رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ اِناللہِ واِناالیہ راجعون۔ ادارے کے اراکین اور عملہ مرحوم کی رحلت پر سوگوار ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے جملہ لواحقین کو صبر جمیل اور اُس پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔
قارئین سے دعائے مغفرت کی گزارش ہے۔

افتائے حرمین کا تازہ عطیہ (۱۳۲۸ھ)

امام احمد رضا محدث بریلوی (پیشِ لفظ: سید محمد عبدالرحمٰن قادری)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وکفٰی والصلاۃ والسلام علی حبیبہ المصطفٰی وآلہٖ وصحبہ اولی الصدق والصفا۔ الحمدللہ

[پیشِ لفظ]: محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فدائیوں کو وہ عظیم بشارت جس سے ایمان کی کلیاں کِھل جائیں۔ الحمدللہ

جعل کلمۃ الذین کفروا السفلی و کلمۃ اللہ ھی العلیا. اللہ نے کافروں کی بات پست کی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ مسلمانوں! اللہ ورسول ﷺ کے بد گویوں نے جو جو ناپاک گستاخیاں رسالۂ "حفظ الایمان" و تحذیر الناس "وبراہینِ قاطعہ" وغیرہ میں کیں، جن پر علمائے کرامِ حرمین شریفین نے حکم کفر دیا اور صاف فرما دیا کہ جو ایسوں کے کفر میں شک لائے خود کافر ہے۔ کتاب مستطاب "حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین" (۱۳۲۴ھ) اُن کے بیان میں بفضلہ تعالیٰ مدت سے عرب و عجم میں شائع ہو چکی اور تمہیدِ مبارک "تمہید ایمان بآیات قرآن" (۱۳۲۶ھ) نے آیات قرآنیہ سے بتا دیا کہ ایمان محبت و تعظیم محمد رسول اللہ ﷺ کا نام ہے اور یہ بد گو قطعاً مرتد ہیں جن کے کفر پر خود قرآنِ عظیم فتوے دے رہا ہے۔ مرتدوں نے ہزار پیچ و تاب کھائے، مگر بحمد للہ تعالیٰ ان مبارک کتابوں کا ایک حرف نہ ہلا سکے۔ سالہا سال سے چھاپ کر مناظرہ کی دعوتیں دیں مگر اکابر کا دم بند ہے۔ غل مچانے کے لیے جو دو طفل مکتب ایک ثناء اللہ امر تسری دوسرا کوئی شخص مرتضی حسن در بھنگی اچھالے انھیں بھی یہ پٹی پڑھا دی کہ غل پکار مچائے جانا اور "حسام الحرمین" (۱۳۲۴ھ) و "تمہید ایمان" (۱۳۲۶ھ) کے گھاٹ ہر گز نہ آنا۔ ان اکابر، اصاغر سب کو جو جو ذلتیں اللہ عزوجل نے دیں، "ظفر الدین الجید" (۱۳۲۳ھ) و "ظفر الدین الطیب" (۱۳۲۷ھ) و "کین کش پنجہ پیچ بر ایڈیٹر اے اینچ" (۱۳۲۷ھ) و "بارش سنگی بر قفائے در بھنگی" (۱۳۲۷ھ) و "پیکان جانگداز بر جان مکذبان بے نیاز" و "ضروری نوٹس" و "نیاز نامہ" و "کشف راز"[1] وغیرہا کے ملاحظ سے ظاہر ہیں۔ بد گویوں نے جان بچانے کی بڑی دوڑ مسئلہ علم غیب رکھی تھی، اُن اصولِ ایمان سے بھاگ کر علم ماکان ومایکون کے فرعی مسئلہ کی طرف دوڑتے اور اس میں بھی کچھ نہ بنتی تو افتراؤں، بہتانوں سے کام لیتے جن کا حال[2] رسالہ "خالص الاعتقاد" سے روشن۔ کتب و رسائلِ مذکورہ کا تو بال بیکا نہ کر سکے نہ اپنے اکابر جنابان گنگوہی و نانوتوی و تھانوی صاحبان وغیرہ ہم سے کفر اٹھا سکے مگر دھوکے بازیوں، افترا پردازیوں سے ایک بے محل رسالہ بنام "غایۃ المامول" مسئلہ غیب میں شامل کیا اور اس میں بھی واقعی بحث سے کام نہ چلتا دیکھ کر ان افتراؤں سے کام لیا کہ معاذ اللہ اعلیٰ حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ دام ظلہم الاقدس نے اپنے رسالہ علم غیب میں نبی ﷺ کے علم کو علمِ الٰہی کے برابر بتایا ہے۔ صرف قدیم و حادث کا فرق رکھا ہے۔ فقط ذات وصفات الٰہی کو مستثنیٰ کیا ہے اور جمیع معلومات غیر متناہی بالفعل کو محیط مانا ہے۔ علمِ الٰہی کے ساتھ اس احاطہ کی خصوصیت کا انکار کیا ہے۔ اللہ اللہ! آدمی اپنی غرض کو جھوٹ بول لیتا ہے مگر ایسے جیتے افترا حضراتِ وہابیہ ہی کا خاصہ ہے پھر یہی نہیں کہ رسالہ مبارکہ میں ان خرافات کا پتا نہ ہو۔ نہیں نہیں، بلکہ اس میں جابجا صاف صریح ان کا رد لکھا ہے۔ اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی بے ایمان کہے قرآنِ مجید میں مسیح کو خدا بتایا ہے، پھر ان افتراؤں کو حضرت برزنجی صاحب کے سر باندھ دینا کیا اچنبھا ہے۔ لطف یہ کہ خبثا نے کھایا اور کال نہ کٹا۔ برزنجی صاحب نے ان

اختراعی قولوں پر بھی اتناہی حکم دیا کہ غلط ہے اور تفسیر پر جرأت نا چار اشقیا نے افترا پر افترا کی تہیں چڑھا کر، ایمان تو تھا ہی نہیں حیا کہاں سے آتی، بے دھڑک چھاپ دیا کہ معاذ اللہ علمائے حرمین شریفین نے عموماً اور برزنجی صاحب نے خصوصاً (دشمنان) اعلیٰ حضرت پر حکم کفر لکھا ہے۔ اس پر ادھر سے فوراً پانچ سو (۵۰۰) روپے کا اشتہار چھپا کہ ایک ہفتہ میں ثبوت دو۔ میعاد گزر گئی سب اوندھے مدت کے بعد وہابیہ نے پھر اور جدید افتراءات بڑھا کر ایک پرچہ چھاپا اس پر مسلمانوں نے تین ہزار (۳۰۰۰) روپے کا اعلان دیا اور تین ہفتہ کی مہلت۔ اب بحمد للہ تعالیٰ کذابوں کے سر ٹوٹ گئے، دم چھوٹ گئے، دل الٹ گئے، جگر پھٹ گئے، ہونٹ سل گئے؛ کافروں کو قیامت سے پہلے ہی الیوم نختم علے افواھھم کے تمغے مل گئے۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا وقیل بعدا للقوم الظلمین والحمد للہ رب العلمین۔ کافروں کی موت تو اسی قاہر ذلت پر ہوگئی۔ مگر "غایۃ المامول" کی دو باتیں باقی تھیں: ایک تو وہی افتراءات کہ وہابیہ نے گڑھے، دوسرے مسئلۂ علمِ خمس میں خلاف کہ بعض اہلِ ظاہر کی طرح یہ شبہ حضرت برزنجی صاحب کو بھی ہے اور کفار وہابیہ یہ ہی کچھ گنجائش پا کر بار بار اسی پر ہمکتے اور ایک فرعی اختلافی مسئلہ کے سہارے معاذ اللہ کفر و شرک تک سرکتے ہیں۔ مکۂ معظمہ میں بھی ان ہندی اشقیا نے یہی جال پھیلانا چاہا تھا، جس پر اعلیٰ حضرت مدظلہ نے مبسوط رسالۂ مبارکہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" (۱۳۲۳ھ) صرف ایک دن سات گھنٹے میں تصنیف فرما کر بھیج دیا اور اللہ عزوجل نے تمام بلد الحرام میں اُن خبیثوں کو ذلیل و بدنام و مردود و ناکام کیا۔ جس شب کو یہ رسالہ کہ محمدی فوج کا منصور و مظفر رسالہ ہے، پہنچا اُس کی صبح کو خلیل احمد انبیٹھوی صاحب جانشینِ جناب گنگوہی صاحب مختفی و روپوش بیک بینی و دو گوش مکۂ معظمہ سے فرار ہوگئے، جس کا حال خطِ[۳] حضرت قدوۃ العلما علامہ شیخ صالح کمال مکی مفتی حنفیہ بنام حضرت مولانا سید اسمٰعیل آفندی محافظِ کتبِ حرمِ مکۂ معظمہ سے روشن ہے۔ ایک اُن کے وہابی احمد فقیہ نے وہابیہ ہنود کو مدد دی تھی۔ اقدس حضرت شیخ العلما حضرت سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الشریف کے حقیقی بھتیجے حضرت مولانا سید عبداللہ دحلان جیلانی مکی فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل نے اُس کی یہ حالت کر دی کہ اگر گھر سے باہر نکلتا تو مکۂ معظمہ کا بچہ بچہ جوتے سے اس کی خبر لیتا، آخر بھاگ کر اپنے دارالامان ہندوستان میں پناہ لی اور کچھ دنوں یہاں رہ کر مصر کو فرار ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت دام ظلہم الاقدس نے یہ مبارک رسالہ سوالات وہابیہ کے جواب میں تصنیف فرمایا، جس نے اُن کی قلعی کھول دی اور بعون واحد قہار اُن پر آخری بول وہی، اس سے زیادہ توجہ کی اس پر حاجت نہ تھی۔ حضرت والا کو کتاب مستطاب "حسام الحرمین" شریف پر تقریظات کا اہتمام تھا؛ یہ کام بفضلِ الٰہی و اعانت حضرتِ رسالت پناہی جل وعلا وصلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخیر و خوبی انجام کو پہنچا، پھر خاک بوسیِ سرکارِ اعظم مدینۂ طیبہ کا شرف مولیٰ تعالیٰ نے عطا فرمایا، وہاں کے علمائے کرام نے اس کو مزین بتصدیقات فرمایا، رسالۂ مبارکہ "الدولۃ المکیہ" کی متعدد نقلیں علمائے کرامِ مکۂ معظمہ نے نہایت خواہش سے لیں، پھر علمائے کرامِ مدینۂ منورہ اس کے دیکھنے کے خواستگار ہوئے اور دو حضراتِ کرام مفتیانِ حنفیہ نے خود ہی اس پر تقریظیں فرمادیں، زیادہ کی نہ فرصت تھی، نہ توجہ؛ یہاں تک کہ وطن میں تشریف لا کر اِس وقت تک اس کے طبع کا بھی سامان نہ فرمایا جس کے سبب کذابوں نے اس پر جھوٹ باندھنے کا راستہ پایا۔ اب کہ "غایۃ المامول" میں وہابی افتراؤں نے سر اٹھایا، اعلیٰ حضرت دام ظلہ نے علمائے کرامِ مکۂ معظمہ کو خطوط لکھے کہ رسالہ کے نقول آپ حضرات کے پاس موجود ہیں، مفتریوں کے کذب دیکھیے، اتنی شہادتِ اسلامی مطلوب ہے کہ آیا اس رسالے میں یہ اختراعی اقوال ہیں جو "غایۃ المامول" میں اس کی طرف منسوب کیے ہیں یا برر غم مفتریان اس میں صاف صریح انکار ہے۔

اللہ عزوجل ان علمائے کرام حامیان اسلام کو بے شمار جزائے خیر دونوں جہاں میں عطا فرمائے، انھوں نے ایک خاص

شہادت کے عوض خود رسالۂ مبارکہ کو اپنی تقریظاتِ علیہ وتصدیقات جلیہ سے مزین فرماکر عطا کیا اور اُن افتراؤں کا سخت جھوٹ کذب، دروغ، تہمت، بہتان، مردود، ملعون ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر فرمادیا۔ الحمدللہ! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے رب کا کرم اور ان کا فضل ہے۔ وللہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کما یحب ربنا ویرضی وصلی اللہ تعالیٰ علی ھذا الحبیب المجتبی الشفیع المرتجی وعلی الہ وصحبہ ابدا ابدا امین۔

الحمدللہ ان مبارک تقریظات سے تین فائدۂ جلیلہ محمد رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطافرمائے۔اوّل: "غایۃ المامول" میں وہابی افتراؤں کا منہ کالا ہوا۔ دوم: خبیث مفتریوں نے جو اپنی شیطانی تحریروں میں غل مچائے تھے کہ "اس مسئلہ میں تمام اہلِ مکہ معاذ اللہ اعلیٰ حضرت کے مخالف ہیں الا ایک شخص، اگرچہ مسئلہ میں انھوں نے بالکلیہ موافقت نہ کی" اور ان کے سوا صدہا ملعون خرافات کہ ایک رامپوری وہابی منور علی نے بکیں، یا ایک بے پڑھے مکی عبدالقادر شیبی کے نام سے شائع ہوئیں، بفضلہ تعالیٰ سب کا کذب آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا۔ سوم: مسئلہ علم غیب کا بھی بفضلہ تعالیٰ انکشافِ تام ہوا اور یہ بھی کہ علمائے کرامِ مکۂ معظمہ نے اُس مسئلہ کو کس درجہ تحسین وپسند کے ساتھ قبول فرمایا اور کذاب مفتریوں کو اللہ عزوجل نے روزِبد دکھایا۔ والحمدللہ رب العٰلمین رسالۂ مبارکہ بفضلِ تعالیٰ خود ہی مبسوط ہے، پھر اس پر تقریظات، پھر ان سب کا ترجمہ ایک پوری کتاب ہے اور آج نہم شعبان معظم روز جان افروز دوشنبہ ہے اور بعونہ تعالیٰ ۱۹ شعبان مکرم کو مدرسۂ مبارکہ اہلِ سنّت وجماعت کا جلسہ ہے دس (۱۰) دن میں سب کا ترجمہ ہونا طبع ہونا متیسر نہیں، نہ یہی مناسب کہ مدرسۂ مبارکہ کا سالانہ جلسہ اس عظیم تحفۂ حرم محترم سے خالی رہے۔ رسالۂ مبارکہ کے دو حصے ہیں: اوّل میں بیانِ مذہبِ حق اور دوسرے میں وہابیہ مخذولین پر ردیہ چند اوراق بطورِ مثردۂ زوداس شائع کیے جاتے ہیں جن میں مضامین حصّۂ اوّل وتصدیقات علمائے کرام کا نہایت اجمالی خلاصہ ہے۔ اسی قدر سے بعونہٖ تعالیٰ مذہبِ حق کی توضیح اور اغلاطِ "غایۃ المامول" کی تغییر وتصحیح اور افتراءاتِ وہابیہ کی تذلیل وتفضیح ہوجائیگی۔ وللہ الحمد اس کے بعد بعونہٖ سبحٰنہ وتعالیٰ کامل رسالہ مع تقریظات "حسام الحرمین" شریف کی طرح عربی واردو شائع ہوکر مسلمانوں کی آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا۔ وباللہ التوفیق وللہ الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ ابدا۔ آمین۔

سید محمد عبدالرحمن قادری رضوی بیتھوی ۹ شعبان معظم ۲۸ھ۔

خلاصہ نامہ اعلیٰ حضرت مفتی حنفیہ (شیخ صالح کمال) بنام حضرت حافظ کتب حرم مکہ معظمہ:

صاحب فضیلت واخلاق حضرت سید اسمٰعیل آفندی حافظ الکتب ہمارے پاس ایک ہندی خلیل احمد نام ہم کو منانے آیا اس لیے کہ میں نے اُس کی کتاب "براہین قاطعہ" کا تذکرہ حضرت شریف (یعنی شریف مکہ علی پاشا) سے کردیا تھا۔ میں نے کہا "تو انبہٹی ہے" کہا "ہاں" میں نے کہا "تجھ پر افسوس تونے کیونکر وہ شنیع کلام لکھے اور خدا کا جھوٹا ہونا جائز کیا میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں اور اب تو کیسے منکر ہوتا ہے کتاب چھپ چکی ہے؟" بولا "اسے سردار میرے! وہ کتاب تو میری ہے مگر میں نے اس میں خدا کا کذب ممکن نہیں لکھا اور لکھا ہو تو اب میں توبہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا "براہین قاطعہ نکالوں اور تجھے دکھادوں جو گستاخی تونے اللہ کی جناب میں کی ہے" تو عذر کرنے لگا اور بولا "مجھ پر کسی نے جھوٹ باندھ دیا ہے۔" مجھے تعجب ہوا کہ چھپی ہوئی کتاب سے کیسے مکرتا ہے اور میں سمجھ گیا کہ یہ رافضیوں کا ساتقیہ ہے میں نے چاہا تھا کہ کتاب نکالوں اور کسی مترجم کو بلاکر اس پر ثابت کرکے توبہ لوں مگر وہ دوسرے ہی دن جدّہ کو بھاگ گیا۔ (فقط محمد صالح کمال ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ)

خلاصہ مقاصد حلیہ رسالہ علیہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" (۱۳۲۳ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حمد ونعت کے بعد یہاں مکہ معظمہ میں روز دوشنبہ وقت عصر ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو بعض ہنود کی طرف سے علم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں میرے پاس ایک استفتا آیا وہابیہ کے اکابر کہ ہمارے رب عزوجل کو جھوٹ کا عیب لگاتے اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹاتے ہیں میں نے ان کے رد میں بکثرت کتابیں تصنیف کیں اور ان کے بڑوں کو مناظرہ کی طرف بلایا مگر ان میں کوئی ایک حرف نہ بول سکا۔ اب یہاں یہ سوال بھیجا اس گمان پر کہ مکہ معظمہ میں میرے پاس کتابیں کہاں اور ادھر حاضری مدینہ طیبہ کی جلدی ہے جواب نہ ملے گا، تو کہنے کو ہو جائے گا کہ ہم نے بھی ایک بار چپ کر دیا اگرچہ میں ان کے اکابر کو ہزار بار چپ کر چکا ہوں اور نہ سمجھے کہ اس دین کا حافظ اللہ ہے اور وہ ایک کُن سے جو چاہے کر دیتا ہے۔ میں جواب کے دو حصے کرتا ہوں: پہلے میں منصف تحقیق طلب کے لیے بیان حق اور دوسرے میں وہابیہ پر رد۔

حصۂ اوّل: چھ فصل پر مشتمل: **فصل اوّل** مسلمان کا ایمان پورے قرآن پر ہے جس قرآن نے فرمایا کہ آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اُسی نے فرمایا کہ اللہ اپنے غیب پر مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اور فرمایا (اے عام لوگو!) اللہ تمھیں اپنے غیب پر مطلع کرنے کو نہیں، ہاں اپنے رسولوں سے جسے چاہے چُن لیتا ہے اور فرمایا یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں اور فرمایا (اے نبی) اللہ نے تمھیں سکھا دیا جو کچھ تمھارے علم میں نہ تھا اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے اور جابجا فرمایا یہ غیب کے علم ہم تمھیں دیتے ہیں۔ تو نفی بھی حق ہے اور اثبات بھی حق ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ علم ذاتی جو کسی کے دیے سے نہ ہو اور علم محیط کہ جملہ معلومات الٰہی کو بالتفصیل شامل ہو یہ صرف اللہ عزوجل کے لیے ہیں اور علم عطائی غیر محیط یہ خاص مخلوق کے لیے ہے۔ اللہ کا علم غیر متناہی بالفعل کو محیط ہے، بلکہ ہر ذرہ میں اس کے لیے علوم غیر متناہیہ ہیں اور مخلوق کا علم کتناہی کثیر ہو یہاں تک کہ روز اوّل سے روز آخر اور عرش سے فرش تک سب کو محیط ہو جائے پھر بھی غیر متناہی بالفعل نہیں ہو سکتا کہ روز اوّل و آخر دو حدیں ہیں اور عرش و فرش دو کنارے اور جو چیز دو حدوں کے اندر ہو غیر متناہی نہیں ہو سکتی بلکہ جمیع مخلوقات کے مجموع علوم مل کر اللہ عزوجل کے علم سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو ایک بوند کے کروڑویں حصے کو کروڑ سمندروں سے کہ بوند کا یہ حصہ اور کروڑ سمندر دونوں محدود ہیں اور محدود کو محدود سے کچھ نسبت ضرور ہے۔ اگر علم جملہ مخلوقات متناہی ہے اور علم الٰہی غیر متناہی تو نسبت ناممکن پھر جس طرح یہ قسم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونا یقینی ہے یوہیں علم غیب قسم دوم کا عباد اللہ کو ملنا ضروری دینی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان بالغیب کا حکم دیا اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم تو جسے امور غیب کا علم نہ ہو تصدیق نہیں کر سکتا اور جب تصدیق نہ کرے گا ایمان نہ ہو گا، تو ثابت ہوا کہ وہ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی مطلق نفی کرتے اور کہتے ہیں حضور کو نہ اپنے خاتمہ کا حال معلوم تھا نہ اپنی امت کے خاتمہ کا، وہ کافر ہیں اور بکثرت آیات کے منکر۔

فصل دوم: ہماری تقریر سے ظاہر ہوا کہ علم الٰہی سے مجموع علوم جملہ مخلوقات کی بھی مساوات کا خطرہ مسلمانوں کے دل میں نہیں گزرتا۔ اندھوں کو وہ فرق نہیں سوجھتے جو اللہ و مخلوق کے علم میں ہیں؛ وہ ذاتی یہ عطائی، وہ واجب للذات یہ ممکن، وہ ازلی یہ حادث، وہ غیر مخلوق یہ مخلوق، وہ زیرِ قدرت نہیں یہ مقدور، وہ واجب البقا یہ جائز الفنا، اس کا تغیر محال اس کا ممکن؛ تو اگر کوئی شخص یہی گمان کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو شامل ہے تو اس کا یہ گمان غلط و خطا ضرور تھا مگر مساواتِ علم الٰہی اس میں بھی نہ ہوتی، پھر کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ ہم قاہر دلیلیں قائم کر چکے کہ علم مخلوق کا جملہ معلومات الٰہیہ کو محیط

ہونا عقلاً وشرعاً ہر طرح محالِ قطعی ہے تو وہابیہ جو پیروانِ ائمہ کے اس کلام پر کہ روزِاول سے روز آخر تک کے تمام ماکان ومایکوں کا علم ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے حکم شرک وکفر لگاتے اور اسے علمِ الٰہی سے مساوات بتاتے ہیں، خود ہی شرک وکفر کے گڑھے میں پڑے ہیں کہ انھوں نے علم الٰہی کو اتنے ہی میں محصور جان لیا جب تو اسی قدر پر مساوات کا حکم لگادیا تو وہ علم الٰہی کو گھٹاتے اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں خدا انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

فصلِ سوم: ہماری اس تقریر سے کہ بندوں کو صرف علم عطائی غیر محیط ہے اور یہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، شاید کسی وہمی کو وہم گزرنے لگے کہ پھر ہم میں اور انبیا میں فرق کیا رہا۔ یہ وہم اگرچہ کسی عاقل کو نہیں گزر سکتا مگر وہابیہ بے عقل سے دور نہیں۔ دور کیسا، واقع ہی جو ہولیا اشرفعلی تھانوی نے اپنی چوورقی ''حفظ الایمان'' میں صاف کہہ دیا کہ ''بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو ہر مجنون بلکہ جمیع بہائم کے لیے ہے اور تمام علوم غیب مراد ہیں تو اس کا بطلان نقل وعقل سے ثابت ہے۔'' ہٹ دھرم مردود نے نہ جانا کہ علم غیب عطائی تو اصالۃً انبیا ہی کے ساتھ خاص ہے اور ان کو اِن کی عطا سے ملتا ہے، جیسا کہ آیات سے گزرا پھر اوروں کے قلیل علم کو علومِ انبیا کے سمندروں سے کیا نسبت۔ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام روزِاوّل سے قیامت تک کے تمام ماکان ومایکون کو جانتے بلکہ آنکھوں دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوہیں ہم ابراہیم کو ساری سلطنت آسمانوں اور زمین کی دکھاتے ہیں؛ حدیث میں ہے بیشک اللہ نے میرے لیے دنیا کو اُٹھالیا ہے، تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسا اپنی اس ہتھیلی کو۔ یہ روشنی ہے کہ اللہ نے میرے لیے کی، جیسی اگلے انبیا کے لیے کی تھی۔ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کا علم عالم کو وسیع ہے جن ؑ کو اُن کے رب نے سکھادیا جو کچھ انھیں معلوم نہ تھا۔ جن کو تمام اگلوں پچھلوں کا علم عطا ہوا جو کچھ زمین و آسمان میں ہے انھوں نے جان لیا، جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے، اُن کے علم میں آیا، ہر چیز اُن پر روشن ہوئی اور انھوں نے پہچان لی، ہر شے کے روشن بیان کو اُن پر قرآن اُترا اللہ نے ہر چیز کی تفصیل اُنھیں بتادی۔ مردود نے اُن کے علم کو ہر پاگل اور چوپائے سے برابر کردیا کہ سب کو بعض ہے اور نہ جانا کہ ایک ذراسی بُند کی بھی بعض ہے اور کرورہا کروڑ سمندر بھی بعض ہی ہیں اور علمِ الٰہی سے ایک حصہ۔ پھر کیا ذراسی بُند کی کروڑوں سمندروں کے برابر ٹھہرے گی؟ اگر فقط بعض کا صدق برابری کو کافی ہو تو خدا کی قدرت کو بھی ہر پاگل اور چوپائے کی قدرت سے برابر ٹھہرادے کہ آخر بعض حرکات و افعال پر جانوروں کو بھی قدرت ہے اور اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اُسے اپنی ذات وصفات پر قدرت ہو ورنہ خدا نہ رہے گا کہ جو مقدور ہے ممکن ہے اور جو ممکن ہے خدا نہیں۔ تو یہاں بھی بعض کا لفظ صادق آیا اور اس شقی کے طور پر ہر پاگل اور چوپائے کی قدرت خدا کی قدرت کے برابر ہوگئی۔ یہ لیئم خود بھی اس فرق کو جانتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت مٹانے کو اُسے دفع کر رہا ہے۔ حقیقت کھولنا چاہو تو اس کے پاس جاکر کہو کہ اے علم وتوقیر میں کتے اور سوئر کے ہمسر دیکھو، ابھی جل جائے گا اُس وقت اِس سے پوچھو کیا خدا کی طرح تجھے جمیع معلومات کا علم ہے اگر کہے ''ہاں'' تو خود کافر ہے اور اگر کہے ''نہ'' تو اُس سے کہو کہ پھر علم میں تیری کیا خصوصیت بعض کا علم تو کتے اور سوئر کو بھی ہے، یوہیں کُل توقیر تیرے لیے نہیں اور بعض سے کتے اور سوئر بھی خالی نہیں کہ کافر اُن سے بھی ذلیل تر ہیں، اللہ فرماتا ہے وہ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔

فصلِ چہارم: وہابیہ کو اللہ نے مخذول کیا، عاجز ہوکر کہتے ہیں ہاں محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات بعض غیب بتائے اور تم بھی کُل نہیں مانتے تو ہم تم متفق ہوئے مگر یہ اُن کا مکر ہے۔ اُن کے کلمات تو یہاں تک ہیں کہ معاذ اللہ خود اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہ تھا اُن کے امام انے ''تفویت الایمان'' میں کہا کہ ''ایک پیڑ کے پتوں کی گنتی کا علم ماننا بھی شرک ہے'' اور صاف کہہ دیا کہ ''اگرچہ

خدا کے بتائے سے مانے۔'' گنگوہی نے ''براہینِ قاطعہ'' میں کہہ دیا کہ اُنھیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کر دیا کہ یہ خود حضور نے فرمایا ہے اور بکمال بے حیائی اُس کی روایت کو حضرت شیخ عبدالحق کی طرف نسبت کیا؛ حالانکہ شیخ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا کچھ ثبوت نہیں تو کہاں یہ اور کہاں وہ جس پر قرآنِ عظیم وصحاح احادیث ناطق ہیں اور جس سے ائمہ کی کتابیں مملو ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب اگلوں پچھلوں کا علم ملا، ماکان ومایکون جان لیا، ہر چیز حضور پر روشن ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ وہابیہ انبیا کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور روزِ اوّل سے قیامت تک کی اشیا کے علم کو ایسا کثیر جانتے ہیں جسے خدا اپنے محبوب کو دینے سے بھی عاجز ہے حالانکہ ائمہ دین نے فرمایا کہ تمام ماکان ومایکون کا علم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے ایک ٹکڑا ہے۔ جیسا کہ امام بوصیری نے ''بردہ شریف'' اور مولانا علی قاری نے اُس کی شرح میں صاف فرمایا ہے۔

فصلِ پنجم: اگر تو کہے میں خوب سمجھ گیا کہ یہاں نہ شرک کی گنجائش ہے نہ گمراہی کی کہ ہم نہ علمِ الٰہی سے برابری مانتے ہیں نہ بے عطائے الٰہی حصول جانتے ہیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض ہی کہتے ہیں۔ ہاں ہمارے اور وہابیہ کے بعض میں آسمان زمین کا فرق ہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ وہابیہ کا بعض بغض و توہین کا ہے اور ہمارا عزت و تمکین کا جس کی قدر خدا ہی جانے اور وہ جن کو عطا ہوا۔ اب میں اس پر قرآن و حدیث و اقوال ائمہ سے کچھ دلائل سننا چاہتا ہوں تو اے برادر! دلائل کے دریا میرے رسائل میں چھلک رہے ہیں اور یہاں اتنا کافی کہ ''صحیح بخاری'' میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شروع آفرینش سے دخولِ جنت و نار تک کا حال بیان فرمایا۔ ''صحیح مسلم'' میں ہے جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے سب بتا دیا۔ صحیحین میں ہے قیامت تک کی کوئی چیز بتانے سے نہ چھوڑی۔ ''ترمذی'' میں ہے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی نیز ''ترمذی'' میں ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے، میں نے جان لیا اور روایت میں ہے شرق تا غرب سب میرے علم میں آگیا۔ صحیحین میں ہے جو کچھ میں نے نہ دیکھا تھا سب میری نگاہ کے روبرو ہو گیا اور حدیث گزری کہ میں دنیا کو اور جو کچھ اُس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی اس ہتھیلی۔ کو ''بردہ شریف'' میں ہے یارسول اللہ لوح محفوظ کے تمام علوم حضور کے علم سے ایک ٹکڑا ہیں۔ ''شرح مشکوٰۃ'' شیخ عبدالحق محدث قدس سرہ میں ہے حدیث کی یہ مراد ہے کہ حضور کا علم ہر کلی و جزئی شے کو محیط ہو گیا۔ ''شرح شفا للخفاجی'' و ''شرح مواہب زرقانی'' میں ہے حضور نے ہر چیز بیان فرمادی۔ ''مواہب لدنیہ'' میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ علم دیا اور تمام اوّل و آخر کے علوم حضور پر القا کیے۔ امام محمد بوصیری فرماتے ہیں ''حضور کا علم تمام جہان کو محیط ہوا۔'' امام ابن حجر شرح میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام ماکان ومایکون حضور کو بتا دیا۔ ''نسیم الریاض'' میں ہے آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے قیامت تک کی تمام مخلوقات کو حضور پہچانتے ہیں۔ قاضی پھر ملا علی قاری پھر مناوی فرماتے ہیں پاک جانوں پر کچھ پردہ نہیں رہتا، وہ سب کچھ ایسا دیکھتے سنتے ہیں جیسا سامنے حاضر ہے۔ امام ابن حاج مکی وامام قسطلانی فرماتے ہیں ہمارے علمانے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد انتقال بھی اپنی امت کو اُس طرح دیکھ رہے ہیں اور اُن کی حالت اور نیت اور دلوں کے ارادوں اور خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔ علی قاری ''شرح شفا'' میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مسلمان کے گھر میں حاضر ہیں ''مدارج شریف'' میں ہے آفرنیش آدم سے قیامت تک کا ہر ہر حال گزشتہ و آئندہ حضور پر ظاہر ہے اُسی میں ہے جملہ علوم ظاہر وباطن و اوّل و آخر وتمام اشیا کو حضور کا علم محیط ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فیض سے مجھے بتایا کہ بندہ کیونکر مقامِ قدس تک پہنچتا ہے جس سے تمام اشیا اُس پر روشن ہو جاتی ہیں۔ خود قرآنِ عظیم میں فرمایا کہ ہم نے تم پر قرآن ہر چیز

کا روشن بیان کر دینے کو اُتارا اور فرمایا اس میں ہر شے کی تفصیل ہے اور فرمایا ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھانہ رکھا اور یہ وصف سارے قرآن کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا، تو تمامی نزولِ قرآن پر حضور کو جملہ اشیا کا علم حاصل ہو گیا؛ اُس سے پہلے اگر بعض احوال یا قصے معلوم نہ ہوئے اور وحی کے منتظر رہے تو یہ ان آیتوں کے منافی نہیں اور بالفرض کوئی دلیل ظنی ہو بھی تو قرآن عظیم کی قطعی آیتوں کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ خود گنگوہی نے "براہینِ قاطعہ" میں کہا کہ اس میں آحاد حدیثیں صحاح کی بھی معتبر نہیں۔ ہاں ہاں اب دہلوی دیوبندی گنگوہی سارے وہابیہ جنگلی کو ہی سب اکٹھے ہو کر ایک آیت یا حدیث متواتر ایسی دکھائیں جس سے قطعاً ثابت ہو کہ بعد تمامی نزول قرآن کے بھی بعض وقائع حضور پر مخفی رہے، جن کا علم حضور کو ملا ہی نہیں نہ یہ کہ باوصف علم حضور نے نہ بتایا یا کسی اشتغال عظیم کے باعث ذہول فرمایا اور عجب یہ ہے کہ گنگوہی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت علم ملنا تو باب عقائد سے ٹھہرایا کہ اُس میں "بخاری" و "مسلم" کی حدیثیں بھی رَد کرے اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نفی پر آیا تو ضعیف و بے سند حکایتیں بھی حجت بنالیں؛ یہاں تک کہ اُس بے اصل روایت سے سند لایا کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں جسے محدثین فرما چکے کہ اس روایت کی کچھ اصل نہیں۔ للہ! مسلمانو! اس کا اور کیا سبب ہے سوا اس کے کہ گنگوہی کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کا بغض ہے، جب تو اُن کے ثبوت میں "بخاری" و "مسلم" کی حدیثیں بھی مردود بتاتا ہے اور اُن کے انکار میں ہر ساقط و باطل حکایت کا دامن پکڑتا ہے۔ کیا اسلام ایسا ہی ہوتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ قسم اس کعبہ کے رب کی؛ یہ "براہین قاطعہ" وہی ہے جو خلیل احمد انبہٹی کی طرف منسوب ہے یہ شخص اس (یعنی ۱۳۲۳ھ) سال حج کو آیا ہوا ہے اور ابھی یہاں موجود ہے؛ اس کے پیر گنگوہی نے اس پر تقریظ لکھی اور اس کے حرف حرف کی تصدیق کی اور علمائے حرمین شریفین اس کا رد کر چکے ہیں۔ مفتی حنفیہ مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا انبہٹی و گنگوہی یقیناً زندیق ہیں، مفتی شافعیہ شیخ العلما مولانا محمد سعید نے فرمایا انبہٹی و گنگوہی شیطان و زندیق سے کمال مشابہ ہیں، مفتی مالکیہ مولانا عابد بن حسین نے فرمایا "براہین" والا گمراہ گر ہے، مفتی حنبلیہ مولانا خلف بن ابراہیم نے فرمایا گنگوہی و انبہٹی کا جو رد صاحب "تقدیس الوکیل" نے کیا سب حق ہے، مفتی مدینہ منورہ مولانا عثمان بن عبد السلام نے فرمایا "براہین" والا گمراہی کے گنڈوں میں ڈوبا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوائی کا مستحق ہے، سید وتری مدنی نے فرمایا گنگوہی و انبہٹی کے اقوال منقولہ صریح کفر و بے دینی ہیں فقط۔ اسی "براہین" میں اللہ تعالیٰ کا جھوٹا ہونا ممکن بتایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ابلیس لعین کے علم سے گھٹایا، مجلس میلادِ مبارک کو معاذ اللہ جنم کنھیا ٹھہرایا؛ بلکہ مجلس شریف والوں کو جنم کنھیا والوں سے بدتر بتایا۔ نیز اس میں علمائے حرمین شریفین کی طرح طرح کی ہجویں لکھیں اور دیوبندی ملعون کو اُن سے بہتر ٹھہرایا۔ اللہ گمراہی سے بچائے۔

فصل ششم: غیوب[5] خمسہ کی خصوصیت بھی بایں معنیٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بھی ان کا علم اُس کے بندوں کو نہ ہو سکے، بلکہ یہ پانچ تو اور بے شمار[6] غیبوں سے ہلکے ہیں تو ان کا خاص ذکر یوں ہے کہ جب ان کو بے خدا کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا تو اور کہ ان سے بھی پوشیدہ تر ہیں کیونکر بے بتائے معلوم ہو سکتے ہیں۔ "روض النضیر شرح جامع صغیر" سے ہے حدیث میں جو ارشاد ہوا کہ ان پانچ کو خدا ہی جانتا ہے اُس کے یہ معنیٰ ہیں کہ بے خدا کے بتائے کوئی نہیں جانتا ورنہ بتائے سے تو ان کے جاننے والے موجود ہیں، خود ہم نے ایک جماعت کو دیکھا جن کو اپنی موت کا وقت معلوم تھا اور جن کو پیٹ کا بچہ ایام حمل میں اور حمل سے پہلے معلوم ہو گیا۔ "شرح الصدور" امام سیوطی و "بہجۃ الاسرار" امام شطنوفی و "روض الریاحین" و "خلاصۃ المفاخر" امام یافعی وغیرہ میں اولیائے کرام سے اس کی روایات بہ کثرت ہیں جن کا انکار وہی کرے گا، جو محروم ہے۔ امام ابن حجر مکی "شرح ہمزیہ" میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاص بندوں کو بہت سے

غیب بتائے، یہاں تک کہ ان پانچ سے جن کو حدیث میں فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ شیخ محقق نے "شرح مشکوٰۃ" میں اسی حدیث کے نیچے فرمایا کہ معنٰی یہ ہیں کہ بے خدا کے بتائے کوئی ان کو اپنی عقل سے نہیں جانتا[7] امام عینی نے "شرح صحیح بخاری" میں فرمایا امام قرطبی نے فرمایا جو بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ان پانچ غیبوں سے کسی کے علم کا دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔ دیکھو صاف بتادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پانچوں غیبوں کو جانتے ہیں اور جسے چاہیں تعلیم فرماسکتے ہیں۔ علامہ بیجوری نے "شرح بردہ شریف" میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ یہ پانچوں غیب حضور کو اللہ تعالیٰ نے بتادیے۔ علامہ شنوانی نے "جمع النہایہ" میں اسے بطور حدیث بیان کیا۔ اسی میں بعض مفسرین سے نقل فرمایا ان پانچوں کو بذات خود سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا، اللہ کے بتائے سے بعض بندے بھی جانتے ہیں "ابریز شریف" میں حضرت سیدی عبدالعزیز قدس سرہ العزیز سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان پانچوں غیب سے کچھ بھی مخفی نہیں اور کیونکر حضور پر مخفی ہوں حالانکہ امت کے ساتوں قطب ان کا علم رکھتے ہیں اور وہ غوث سے نیچے ہیں تو کجا غوث پھر کہاں حضور اقدس جن سے سب کچھ ہے۔ اسی میں حضرت موصوف سے ہے یہ پانچوں غیب کیونکر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پوشیدہ رہیں حالانکہ حضور کی امت سے کوئی صاحبِ تصرف ولی تصرف نہیں کرسکتا جب تک ان پانچوں کو جان نہ لے۔ قرآن عظیم نے فرمایا زمین آسمان کے سب غیب لوح محفوظ میں لکھے ہیں امام نسفی نے "مدارک" میں فرمایا لوح کو اللہ عزوجل نے مبین اسی لیے فرمایا کہ ملائکہ جو اسے دیکھتے ہیں انھیں اپنے مکتوبات کا علم دیتی ہے علی قاری نے "مرقاۃ" میں فرمایا سب ہونے والی باتیں لوح میں لکھ دینے کی حکمت یہ ہے کہ ملائکہ اسے دیکھ کر غیب کا علم پائیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب "تفسیر" میں لکھتے ہیں لوح محفوظ پر اولیا کو بھی اطلاع ہوتی ہے، بعض اولیا سے اس کا مطالعہ بہ تواتر ثابت ہے۔ امام شطنوفی وغیرہ ائمہ نے بسند صحیح حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا میری آنکھ لوح محفوظ میں ہے۔ علامہ تفتازانی "شرح مقاصد" میں فرماتے ہیں آیت کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کا علم کسی کو نہیں دیتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے اور کچھ دور نہیں کہ بعض رسولوں کو وقت قیامت کا علم عطا فرمائے، بلکہ امام قسطلانی نے "شرح صحیح بخاری" میں فرمایا کوئی نہیں جانتا قیامت کب ہوگی مگر اللہ کے چُنے ہوئے رسول کہ اللہ ان کو اپنا جو غیب چاہے بتاتا ہے اولیا کہ اُن کے پیرو ہیں ان سے علم لیتے ہیں بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب "تفہیمات الٰہیہ" میں خود اپنی نسبت لکھتے ہیں کہ انھیں وقت قیامت کا اجمالی علم دیا گیا جو بھولا بھولا خواب سا ہو گیا۔ جب ایسوں کے لیے یہ ہے تو سبحٰن اللہ کجا شانِ مصطفٰی و علم مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "حاشیہ فتح المبین" اور "فتوحات الٰہیہ" شروح اربعین امام نووی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم قیامت ملنے کے بارے میں ہے۔ حق یہ ہے جیسا کہ ایک جماعتِ علما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے جو کچھ مبہم رکھا تھا دنیا ہی میں سب کا علم حضور کو عطا فرمادیا۔ علامہ عشماوی نے "شرح صلاۃ احمدیہ" حضرت سید احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرمایا یہی صحیح ہے (والحمد للہ رب العٰلمین)

(کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۂ تصدیقات و تقریظات حضرات علمائے کرام مکۂ معظمہ دامت برکاتہم

اعلیٰ حضرت شیخ العلما قدوۃ العظما سید علامہ محمد سعید بابصیل مفتی شافعیہ

بعد حمد و نعت، میں نے فاضل کامل میرے سردار احمد رضا خان کا رسالہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" دیکھا مؤلف کامل سردار

مذکور خود بھی ثنائے جمیل کے مستحق ہیں اور ان کا رسالہ مذکورہ بھی تین وجہ سے: اوّلاً وہ اس قطر کے سردارِ علما ہیں اور علومِ شریعت کے اصول وفروع میں محقق ومدقق، ثانیاً وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال تعظیم کما ینبغی بجالاتے اور اس میں کوشش رکھتے ہیں، خصوصاً حضور کے بے انتہا علمِ غیب میں کہ مکنونات لوح محفوظ وعرش وعوالم علویہ وغیرہامیں جیسا کہ اس رسالہ میں مبرہن اور علمائے سلف وخلف کے اقوال سے روشن کیا، ثالثاً یاں کہ یہ رسالہ اپنے حج ۱۳۲۳ھ میں تھوڑے وقفہ میں لکھدیا محکم لکھا اور دلائل ومباحث کا بسط کیا، حتیٰ کہ علمائے حرمین نے اُس رسالہ کی جلیل وقعت فرمائی اور اس پر تقریظیں لکھیں اور یہ اعزاز بھی مصنف کی قدر سے کم ہے۔ اسی سے تجھ پر ظاہر ہوگیا کہ وہابیہ اور حاسدین جو اُس پر اعتراض کرتے ہیں گمراہ ہیں۔ یہ ہے جو اس امام کامل کی نصرت میں مجھے متیسر ہوا، اسے اپنی زبان سے کہا اور اپنی قلم سے لکھا۔ محمد سعید بابصیل مفتی شافعیہ شیخ العلماء بہ مکہ معظمہ نے۔

کبیر العلماء اقدس حضرت شیخ الائمہ علامہ احمد ابوالخیر مرداد

بعد حمد ونعت، میں نے یہ رسالہ کمال غور سے دیکھا۔ اسے نہایت حسن وتحقیق واتقان میں پایا، اس کے بیان سے دلوں کی کلی کھل گئی اور اس کی دلیل آسمان تحقیق پر بلند ہوئی اور کیوں نہ ہو کہ وہ اس عالم علامہ امامِ زمانہ کی تصنیف ہے جو اس زمانے میں تمام مصنفوں کا سردار وامام ہے اور وہ جس نے مصنف پر ادعاے مساوات علم الٰہی وعلم نبوی وغیرہ اکاذیب کی تہمت رکھی جو رسالہ دیکھے گا صاف کہہ دے گا کہ وہ بہتان محض جھوٹ ہیں افترا وکجی وگمراہ گری سے خدا کی پناہ۔ ابوالخیر میرداد۔

والا حضرت راس العلما علامہ شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ سابقاًوامام ومدرس مسجد الحرام حالاً

بعد حمد ونعت، وہ جو اہل زور وبہتان نے دعویٰ مساوات وغیرہ کا مؤلف "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" پر اتہام کیا، رسالہ مذکورہ میں اس کا کہیں پتا نہیں بلکہ صراحۃً ان فاجر، دروغوں کا رد ہے، وہ مدعی سرکش خود رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حسد رکھتے ہیں مصنف کا اللہ نگہبان ہو جو تشنیعیں وہ لوگ ان پر کررہے ہیں وہ خود ہی ان کے مستحق ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر کردی۔ کیا وہ رسوائی وعذاب ان کے باز آنے کو بس نہ ہوا جو مکۂ معظمہ میں اس رسالہ کی تصنیف سے مخالفوں پر پڑا کہ پیٹھ پھیر کر اس حال سے بھاگے جس حال سے ان کا استاد (ابلیس) اذان سن کر بھاگتا ہے (یعنی گوز زنان)۔ الٰہی اکابر علما کی شان میں بیہودہ بکنے سے تیری پناہ۔ الٰہی اس استاذ کبیر وعالم محقق ماہر کی عمر دراز کر اور اُسے افزونی وبرکت کے ساتھ ہمیشہ رکھ کہ ان بدمذہبوں کے گلے میں پھندا اور کانٹا ہو جو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر نہیں کرتے۔ مصنف کی علوم لدنیہ وفیوض وکمالات میں ترقی بڑھا اور اس کے علموں کا ہمیں فیض پہنچا جس کے سبب ہم تیری رضا پائیں اور فردوس بریں میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسایگی۔ آمین۔ محمد صالح کمال۔

والا حضرت علامہ مفتی حنفیہ مولنا عبداللہ سراج

حمد ونعت کے بعد، اللہ ہی کا شکر ہے جس نے ہر زمانے میں دین کے مجدد پیدا کیے اور بے شک ان میں سے یہ علامہ فہامہ ملک العلما مصنف "الدولۃ المکیہ" ہیں۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا، مصنف نے ہدایت کا راستہ روشن کردیا؛ یہ اللہ کی دین ہے، جسے چاہے دے۔ جو اسے دیکھے گا یقین کرے گا کہ دعوی مساوات وغیرہ جھوٹ جو مصنف کی طرف کسی نے نسبت کیے سب محض دروغ ہیں۔ اللہ مصنف کو بہتر جزا دے اور اُسکے حاسدوں کو ہلاک کرے۔ آمین۔("وما توفیقی الا باللہ۔" عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج۔ ۱۳۲۵)

حضرت علامہ مفتی مالکیہ مولانا محمد عابد بن حسین

بعد حمد ونعت، میں نے عالم علامہ حضرت احمد رضا خاں کا یہ

رسالہ بغور کامل دیکھا، اس نے صاف بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علمِ غیب علمِ الٰہی کے فیض سے ہے۔ جھوٹوں نے جو افترا کیے رسالہ ان کے پاس ہو کر نہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ اسلام و مسلمین کی طرف سے مصنف بے نظیر کو جزائے خیر دے۔ (محمد عابد بن حسین، ۱۳۰۰)

حضرت علامہ مفتی حنبلیہ عبد اللہ حمید

حمد و نعت کے بعد، میں نے رسالہ دیکھا، جسے ہر سردار نے قبول کیا؛ اُس کے آفتابِ دلائل نے ہر تاریکی مٹادی اور اُس کی ہدایت کے انوار اس امت پر چمک اُٹھے؛ اُسے دیکھ کر میں ایک ہزار دس بار حمدِ الٰہی بجالایا کہ اُس نے اس عالم محقق مدقق کے وجود سے ہم پر احسان کیا، ہمیشہ اُس کے عمل کا پھل بار گاہِ الٰہی میں مقبول رہے۔ آمین (عبد اللہ بن علی بن حمید)

حضرت علامہ علی صدیق کمال حنفی مدرس مسجد الحرام

بعد حمد و نعت، میں نے رسالہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" دیکھا۔ وہ اُس بناوٹ اور بہتان سے خالی ہے، جو اس عالم بلند ہمت کی طرف لوگوں نے نسبت کیے؛ کیسا عالم جس سے اللہ نے اس زمانے میں مسلمانوں کی فریاد رسی کی کہ اُس نے خارجی وہابیوں دوزخ کے کتّوں کا رد کیا، جو یہود و نصاریٰ و مشرکین سے بھی زیادہ اسلام کے حق میں مضر اور نام کے مسلمان نرے کافر ہیں۔ اللہ اُن کی بلاؤں سے بچائے۔ (علی بن صدیق کمال)

حضرت علامہ سید اسمٰعیل آفندی حافظ کتب حرم شریف

بعد حمد و نعت، ہمارے شیخ علامہ مجدد جملہ اساتذہ کے استاذ حضرت مولوی احمد رضا خاں جب ۱۳۲۳ھ میں مکۂ معظمہ پہنچے، بد مذہبوں نے بعض مفسد فاسقوں کی مدد سے دربارۂ علمِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے پاس سوال بھیجا اور سمجھے کہ وہ قصدِ سفر پر ہیں اور یہاں اُن کے پاس کوئی کتاب نہیں، جواب نہ دے سکیں گے؛ مولانا کی اللہ تائید کرے وہ جواب لکھا کہ ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور ہر کافر فاسق گمراہ ذلیل و خوار ہوا۔ اب کئی برس کے بعد سُنا کہ کسی نے کذب و زور و فسق و بہتان و فجور سے یہ ادعا کیا کہ حضرت نے اپنے رسالۂ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو غیر متناہی بالفعل سے متعلق مانا اور باستثنائے ذات وصفات علمِ الٰہی کے مانند جانا۔ ماشاءاللہ کہ ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کچھ کہا ہو۔ اُن کا رسالہ ہمارے پاس موجود ہے جس میں اُنھوں نے جابجا اس ادعا کے خلاف تصریحین کی ہیں (پھر متعدد مقاموں سے دس ۱۰ عبارتیں "الدولۃ المکیہ" کی نقل فرمائیں، جو اُن ادعاؤں کے صریح بہتان ہونے پر دلیلِ روشن ہیں، پھر فرمایا) ہمارے شیخ مذکور حضرت احمد رضا خاں کا رسالہ شیخ صالح کمال مفتی مکہ نے بحکم شریف دربار شریف میں بر سر مجلس پڑھا، سرکش طائفہ والے وہابی علما بھی اُس وقت حاضر تھے؛ سب سرنگوں اور مبہوت ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی ناکیں خاک میں رگڑ کر مولانا حضرت مذکور کو عزت بخشی۔ چار طرف سے علما و طلبہ اُن پر حلقہ کرتے، کوئی مسئلہ پوچھتا، کوئی کسی سوال میں قولِ صحیح دریافت کرتا، کوئی اجازت کا طلب گار، کوئی اشارہ کا خواست گار۔ جب تک وہ مکہ میں رہے، یہی حال رہا اور جب قصدِ زیارتِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا، راستہ سخت دشوار ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ببرکتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے لیے آسان کر دیا؛ علمائے مکہ رخصت کرنے کو اُن کے ساتھ آئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہمارے دونوں جہاں کا ذخیرہ بنائے۔ (اسماعیل بن السید خلیل ۱۲۹۲)

حضرت سید ابو حسین مرزوقی امین الفتوی

حمد و نعت کے بعد، میں نے رسالہ "الدولۃ المکیہ" دیکھا۔ اُس کی روشن دلیلیں دلوں کو شگفتہ کرتی ہیں اور جتنوں نے ادعا کیا کہ اس تصنیفِ جلیل میں علمِ الٰہی و علمِ نبوی میں مساوات مانی ہے، وہ سب جھوٹے ہیں؛ بلکہ حضرت مصنف نے اُس میں جابجا دونوں علموں میں فرقِ عظیم کی تصریح کی ہے۔ اللہ مولانا مصنف کو سب سے بہتر جزا دے کہ انھوں نے ہم پر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے یقینی اوصاف ظاہر کیے۔ (محمد ابو حسین)

حضرت مولانا عمر بن ابی بکر باجنید امین الفتویٰ

اللہ ہی کو حمد ہے اور درود و سلام حضور رحمۃ للعٰلمین اور اُن کے آل واصحاب و تابعین، خصوصاً ائمۂ اربعہ اور ان کی متبعین علمائے باعمل مؤیدانِ دین، خصوصاً اُستاذ ماہر کامل حضرت احمد رضا پر کہ اس عظیم رسالہ اور بڑی نعمت کے مصنف ہیں، جو اُن خلاف شرع باتوں سے خالی ہے کہ پاجی حاسدوں اور کمینہ جاہلوں نے جن کا ادعا کیا، اللہ تعالیٰ اس امام کا نگہبان ہو اور مخالفانِ اہلِ سنّت کی گردنوں کے لیے اُسے تیغِ براں کرے۔ (عمر بن ابی بکر باجنید۔ ۱۲۹۶)

حضرت مولانا علی بن حسین امام مالکیہ و مدرس حرم

حمد و نعت کے بعد، میں نے "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کی چمکتی بجلی دیکھی۔ اُسے آیاتِ قطعیہ سے مزین پایا، اُس کی روشن تحقیقات کی صبح نے حق راست کے آسمان سے کاذبوں کی باطل باتوں کی رات دور کر دی۔ اُس میں کچھ عیب نہیں سوا اس کے کہ وہ حق کا راستہ بتاتا اور اپنے مصنف کے فضائل مشہور کرتا ہے؛ اور کیوں نہ ہو کہ وہ سب اہلِ ہدایت کے احمد اور سرداران محققین کی رضا ہیں اُن کی تحقیقاتِ پسندیدہ کا آفتاب شریعتِ محمدیہ کے آسمان میں ہمیشہ بلند رہے۔ (محمد علی بن حسین۔ ۱۳۱۰)

جناب مولانا جمال بن امیر بن حسین مدرس و امام

بعد حمد و نعت، میں نے "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" دیکھا۔ اُسے وہبی آیتوں سے مزین پایا اور کیوں نہ ہو کہ وہ علامہ یکتا سید امجد ہمارے شیخ حضرت احمد رضا خاں کی تالیف ہے۔ فریب و افترا والوں نے جو ادعائے مساوات اُس کی طرف نسبت کیا رسالہ میں اُس کا صریح رد ہے۔ ان جھوٹوں کی اُس کی طرف نسبت بہتان ہے۔ (محمد جمال بن محمد الامیر)

حضرت علامہ اسعد دھان مدرس حرم محترم

حمد و نعت کے بعد، میں نے "الدولۃ المکیہ" دیکھا کہ امام معظم میرے سردار میرے شیخ میرے پیشوا حضرت احمد رضا خاں کی تالیف ہے۔ ایسا تصنیف کرنا اتفاق سے کسی کو نصیب ہو؛ آسمانِ تحقیق میں اُس کی دلیل چمک رہی ہے۔ پاجی حاسدوں اور کمینہ جاہلوں نے جو خلافِ شرع باتوں کا ادعا کیا، مؤلف حفظہ اللہ کا دامن اُن سے پاک ہے۔ اُنھوں نے خود اس رسالے میں جابجا تصریح کی ہے کہ علمِ الٰہی و علمِ نبوی میں واضح فرق ہے اور علمِ مخلوق کتنا ہی کثیر ہوں گا مگر متناہی بخلاف علمِ الٰہی اور کسی مخلوق کا علم معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہونا شرعاً وعقلاً محال ہے اور اُن کے سوا اور تصریحات مگر حاسدین اس صریح افترا اور قبیح بہتان سے خدا کا نور بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنا نور پورا ہی کرے گا، اگرچہ برا مانیں کافروہ شیطان کے گروہ ہیں۔ (اسعد بن دھان۔ ۱۳۰۰ھ)

حضرت مولانا عبد الرحمٰن دھان مدرس حرم شریف

حمد و نعت کے بعد، ہیں نے "الدولۃ المکیہ" کی موتیوں کی لڑی دیکھی، جو عالمِ تحریر میرے شیخ میرے پیشوا حضرت احمد رضا خاں کی تالیف ہے۔ اُس کی تحقیق کے آفتاب چمک اُٹھے وہ رسالہ علمِ الٰہی و علمِ نبوی میں کمال فرق بتارہا ہے؛ اُس میں تصریح ہے کہ علمِ ذاتی و علمِ مطلق خاص خدا کے لیے ہیں، بندوں کو صرف مطلق علمِ عطائی ہے اور یہ کہ معلوماتِ الٰہیہ کا احاطہ مخلوق کو محال ہے اور یہ کہ علمِ الٰہی میں غیر متناہی سلسلے غیر متناہی بار ہیں بلکہ ہر ذرہ میں اُس کے لیے غیر متناہی علم ہیں اور محال ہے کہ مخلوق کو کسی وقت غیر متناہی علم ملے۔ اور ان کے سوا اور عبارتیں جو شہادت دے رہی ہیں کہ گمراہ ملحدوں نے جو باتیں مؤلف کی طرف نسبت کیں اُن سے بری ہیں۔ اللہ اُن گمراہوں کو رسوا کرے اور ٹھیک ذلت و خواری کے ٹھکانے میں اُن کو جگہ دے۔ (عبد الرحمٰن دھان۔ ۱۳۰۲)

حضرت علامہ محمد بن یوسف الخیاط

بعد حمد و نعت، میں نے یہ رسالہ دیکھا کہ اپنے مصنف کے محقق مدقق ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ میں نے اُس کا میدان اُن افتراؤں سے پاک پایا، جو طعنہ زنوں نے اُس کی طرف نسبت کیے۔ ہاں اندھا حاسد جبکہ مناظرہ نہ کر سکا، دل سے جھوٹ گڑھا اور مکابرہ کیا اور نہ جانا کہ وہ اس سے اور بھی ذلیل ہوا؛ کیا تباہ زمانہ

ہے جس میں ایسے افترا چل جائیں؛ اللہ دل کی آنکھیں کھولے اور اس فاضل غیور کی مدد فرمائے اور اس کے مخالفوں کو اندھیریوں سے نکال کر نور میں لائے۔ (محمد یوسف خیاط)

حضرت علامہ محمد صالح بافضل مدرس حرم وامام شافعیہ

حمد الٰہی ونعت حضور عالم ماکان ومایکون کے بعد، میں نے یہ رسالہ دیکھا، جس سے گمراہوں کے شبہے مٹ گئے، اُس کے دلائل کی تلواریں بے دینوں کے عقائد پر کھنچیں اور اُس نے وہابی شیطانوں کی شبہے گرادیے۔ مصنف نے مسلمانوں کی گردنوں میں نعمتوں کی ہیکلیں ڈالیں اور اس مضبوط تصنیف سے دین کی مدد کی جس نے مخالف کے اس ادعا کی کھوٹ ظاہر کردی کہ رسالۂ مذکورہ میں علمِ الٰہی وعلمِ نبوی میں دعویٰ مساوات ہے حاشاوکلا۔ کیا خدا کا نور بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا: پڑے برا مانیں مشرک۔ ہاں جبکہ اس عجالہ نے مخالف کی فضیحت عقلا میں مشہور کردی اور اس تیغِ برہنہ سے اُس کا ارادہ اوندھا ہوگیا، تو اُسے کچھ بن نہ آئی سوا اس دعویٰ مساوات کے جس سے اُسے فضیحت پر فضیحت بڑھی؛ اللہ اُسے اُس کی سزا کو پہنچائے اور ہم مصنف کا شکر کیا ادا کرسکتے ہیں سوا دعا کے۔ اُن کی عزت وسعادت ہمیشہ مخدوم رہے۔ (محمد صالح بن محمد بافضل)

جناب مولانا شیخ احمد مکی امدادی مدرس وبانی مدرسۂ احمدیہ

حمد ونعتِ عالم ماکان ومایکون کے بعد، ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' کو جب ملک العلما امام مجدد نے آخر ۱۳۲۳ھ میں یہاں مکۂ معظمہ میں تصنیف فرمایا اور علمائے کرامِ مکہ نے شہادتیں دیں کہ مصنف نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اُٹھے، وہ سب ہمارے سامنے واقع ہوا۔ میں نے مخالفوں کا ابتدا میں سخت جوش بھی دیکھا تھا اور ان کے سوال بھیجنے کے دوہی روز بعد جو یہ مبسوط دل کشا رسالہ آیا، اُس وقت بھی اُن کی حالت دیکھی؛ گویا وہ گدھے ہیں بدکے ہوئے کہ شیر کو دیکھ کر بھاگے۔ جو اعزاز اللہ عزوجل نے مصنف کو یہاں عطا کیا، دیکھنا کیا معنیٰ، ہمارے کانوں نے بھی نہ سُنا کہ اور کسی کو ملا ہوا۔ اکابر علمائے امجاد نے اُن سے سندیں لیں اور استفادے کیے اور سخت خواہشمند تھے کہ کسی طرح سال دوسال ہی یہاں اقامت فرمائیں کہ ہم استفادہ کریں۔ حاسدوں کو جب کچھ نہ بنی تو کئی سال کے بعد یہ افترا گانٹھے کہ انھوں نے تو معاذاللہ مساواتِ علمِ الٰہی وعلمِ نبوی کا دعوے کیا ہے۔ صرف علومِ متعلقہ ذات وصفات کا استثنا کیا ہے، فقط قدم وحدوث کا فرق رکھا ہے، علمِ نبوی غیر متناہی بالفعل کو محیط مانا ہے۔ حالانکہ رسالہ کی متعدد نقلیں یہاں علمائے کرام کے پاس موجود ہیں؛ صرف یہی نہیں کہ اُس میں ان بہتانوں کا پتا نہ ہو، بلکہ اُس میں جابجا ان تمام جھوٹی خرافات کا بالتصریح رد ہے؛ مگر جسے خدا نور نہ دے اُس کے لیے نور کہاں اور یہ خدا کی قسم کمال مصنف وجمال تصنیف کی ایک اعلیٰ شہادت ہے، جس نے مخالفین کے مونھ میں ایسا پتھر دیا کہ جھوٹے ملعون افتراؤں کے سوا کچھ بن نہ پڑا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت مولانا شریف جلیل الجاہ سید عبداللہ زینی دحلان مکی جیلانی امام شافعیہ ومدرس مسجد الحرام۔

بعد حمد ونعت، میری خوش نصیبی کہ یہ کتاب بے مثال ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' دیکھی۔ پاکی ہے اُسے جس نے مؤلف کو کمالات فضائل سے مخصوص فرما کر اس زمانۂ فتن کے لیے چھپا رکھا تھا، اللہ انھیں دین کی نصرت ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کے لیے ہمیشہ رکھے۔ یعنی علوم کے روشن چاند حلّالِ مشکلات امام میرے شیخ میرے مستند میرے سید میرے استاذ حضرت احمد رضا خاں، اللہ اُن کے وجود سے سارے جہاں کو بہرہ مند کرے۔ بعض گمراہوں نے جو اس رسالے پر افترا اُٹھائے تھے۔ علمائے مدینہ نے تحقیق کے لیے رسالہ کی نقل طلب کی اکرم مکرم فاضل عزیز برادرم جناب سید حسین مدنی طرابلسی خلف سید مرحوم علامہ عبدالقادر طرابلسی مدنی نے اس کی نقل فرمائی اور میں نے مصنف کے اصل نسخہ سے اُس کا مقابلہ کیا، جس پر مفتیانِ

مدینہ حضرت علامہ عثمان داغستانی وحضرت ہمام تاج الدین الیاس کی تقریظیں تحریر ہیں وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔(عبداللہ سید دحلان ۱۳۰۷ھ)

والاحضرت مولانا تاج الدین الیاس مفتی حنفیہ بہ مدینہ طیبہ

حمد ونعتِ عالمِ علمِ اولین وآخرین کے بعد، میں نے یہ شریف وروشن رسالہ "الدولۃ المکیہ" تصنیفِ عالم محقق حضرت شیخ احمد رضا خاں بریلوی دیکھا؛ اس مسئلہ میں اُسے یکتا کتاب مؤید بتائید ملک وہاب پایا۔ اللہ مصنف کو سب سے بہتر جزا دے۔ (محمد تاج الدین الیاس۔ ۱۲۹۳ھ)

اعلیٰ حضرت علامہ عثمان بن عبد السلام اوّل مفتی حنفیہ بہ مدینہ منورہ

حمد اُس خدا کو جس نے اس دین کے نگہبان امام پیدا کیے اور اپنے نورِ ہدایت سے پوشیدگیاں واضح کرنے والے علمائے اسلام چُنے اُنھی میں سے عالمِ اجل علامہ احمد رضا بریلوی صاحبِ فضلِ کثیر ہیں۔ میری آنکھیں اس رسالہ کے نور سے روشن ہوئیں، اُسے روشن آیتوں اور اہلِ سنّت کے صریح قولوں سے مرصع پایا، حق ظاہر ہوا اور باطل مٹا اور منکر کا نرا جاہل ہونا کھل گیا۔ رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکثرت غیب بتائے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ خاصہ یعنی غیب بتانا ہر کتاب میں مسطور ہے۔ کہا اسے اپنی زبان سے اور لکھا اپنے قلم سے فقیر عثمان بن عبد السلام داغستانی مفتیِ مدینۂ منورہ نے۔ (عثمان ابن عبد السلام داغستانی۔۱۲۹۸ھ)

حواشی

۱۔ یہ سب کتب ورسائل واشتہارات بریلی مطبع اہلِ سنّت وجماعت مولانا مولوی حکیم ابو العلا امجد علی اعظمی صاحب سے مل سکتی ہیں ۱۲ منہ۔

۲۔ یعنی اُس کی تمہید مسمّٰی بہ "رماح القھار علیٰ کفر الکفار" سے ۱۲ منہ۔

۳۔ اس مبارک خط کا خلاصۂ ترجمہ اسی رسالہ کے صفحہ 3 پر ملاحظہ ہو اور پورا اصل خط مع ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب کے ساتھ شائع ہوگا ۱۲ منہ۔

۴۔ یہ سب مضامین آیات واحادیث میں اس طرح صاف صاف مصرح ہیں ۱۲ منہ۔

۵۔ یعنی وہ پانچ غیب جن کا ذکر سورہ لقمان شریف میں ہوا کہ قیامت کب ہے مینہ کب برسے گا عورت کے پیٹ میں کیا ہے آدمی کل کیا کرے گا، کہاں مرے گا ۱۲ منہ۔

۶۔ مثلاً پیٹ کے بچہ سے دل کا راز زیادہ خفی ہے کہ پیٹ کا بچہ جسم ہے؛ طب میں نر ومادہ پہچاننے کے بعض قراین وعلامات بتائے ہیں اور اب تو آلہ ایسا نکلا ہے جس سے اُسے دیکھ لیتے ہیں۔ آدمی اپنے بعض افعال کو ظناً خیال کرلیتا ہے کہ کل مجھے یہ کرنا ہے اور اصلاً خیال میں نہیں لاسکتا کہ اُس کی ساتویں پشت میں جو لڑکا ہو وہ اپنے بیسویں سال شروع ہوتے وقت کیا کرتا ہوگا۔ یونہیں ایک اپاہج قیاس کرسکتا ہے کہ غالباً اسی سرزمین پر مرے گا اور اُس لڑکے کی نسبت کچھ قیاس نہیں کرسکتا۔ مینہ پر فصل وموسم وہوا ومعاینۂ بخاراتِ دریا وغیرہ قرائن عادیہ ہیں، جن سے اہلِ تجربہ ظنی تقریبی حکم کرتے اور ٹھیک بھی پڑجاتے ہیں؛ مگر اصلاً کوئی قرینہ گمان قیاس نہیں کہ فلاں روز فلاں شہر میں فلاں طرف کوئی ستارہ کب ٹوٹے گا؛ قیامت کی صدہا علامات ہم کو ارشاد ہوئیں، خصوصاً کبریٰ کے شروع پر، اتنا تو یقیناً مطلقاً ہوگا کہ اب بہت ہی قریب آگئی اور یہ بھی خبر ہے کہ جمعہ کا دن صبح کا وقت محرم کا مہینہ ہوگا؛ مگر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ساتویں پشت کا لڑکا کب مرے گا کہ سرے سے ساتویں پشت تک پہنچنے ہی پر کوئی قرینہ نہیں، نہ اس پر کہ اُس میں لڑکا ہی ہو وغیر ذلک ۱۲ منہ۔

۷۔ اسی طرح امام قسطلانی نے "شرح صحیح بخاری" اور ملا علی قاری نے "شرح مشکوٰۃ" میں زیرِ حدیثِ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نقل فرمایا ۱۲ منہ۔

جدید وقدیم سائنسی افکار ونظریات
اور
امام احمد رضا

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحم

(۱) امام احمد رضا[۱] نے علومِ عقلیہ کی ابتدائی تحصیل بعض اساتذہ سے کی، مثلاً مولانا نقی علی خان، ابوالحسین احمد النوری، مرزا عبدالعلی رام پوری، اور مرزا غلام قادر بیگ وغیرہ، مگر ان علوم میں اپنی خداداد صلاحیت سے کمال حاصل کیا۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ جب ریاضی اور جومیٹری وغیرہ کی تحصیل شروع کی تو ان کی فطری ذکاوت کو دیکھ کر ان کے والد مولانا محمد نقی علی خان نے کہا:

"تم اپنے علومِ دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود حل کرلوگے۔"[۲]

چنانچہ ایسا ہی ہوا: نہ صرف یہ کہ ان علوم کو حاصل کیا بلکہ ان علوم پر مختلف تصانیف اور حواشی لکھے، خود لکھتے ہیں:

"حسبِ ارشادِ سامی بعونہٖ تعالیٰ فقیر نے حسآب و جبرؔ و مقابلہ ولوگآرثم و علمِ مربعآت و علمِ مثلث کروی و علمِ ہیئتِ قدیمہ و ہیئتِ جدیدہ و زیجآت و ارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفاتِ و تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد و ضوابط خود ایجاد کیے۔ تحدثاً نعمۃ اللہ تعالیٰ۔"[۳]

اس پس منظر میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے یہ ریمارکس قابلِ توجہ ہیں ۱۹۲۹ء میں قیامِ شملہ (بھارت) کے زمانے میں مولانا محمد حُسین میرٹھی نے جب ان سے امام احمد رضا سے ملاقات کی تفصیلات دریافت کیں تو انھوں نے جواب دیا:

"ان کو علمِ لدنی حاصل تھا۔ میرے سوال کا، جو بہت مشکل اور لاحل، تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصے سے ریسرچ کی ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔"[۴]

غالباً اسی تاثر کی وجہ سے ملاقات کے فوراً بعد انھوں نے پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ سے کہا:

"صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے"۔[۵]

جامعہ ازہر (مصر) کے پروفیسر محی الدین الوائی[۶] کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر بار برامٹکاف[۷]، علامہ اقبال یونیورسٹی (اسلام آباد، پاکستان) کے پروفیسر ابرار حسین صاحب[۸] وغیرہ ہم نے علومِ عقلیہ میں امام احمد رضا کی حیرت انگیز ذکاوت کا ذکر کیا ہے اور سراہا ہے۔

امام احمد رضا نے علومِ عقلیہ جدید وقدیمہ میں مستقل تصانیف چھوڑی ہیں۔ اور علومِ نقلیہ کے متعلّق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں، جن کو پڑھ کر اہلِ علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ امام احمد رضا کی عربی تصنیف) "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۲ھ ۱۹۰۵ء)" کو پڑھ کر پروفیسر ابرار حسین نے ان خیالات کا اظہار کیا:

"اعلیٰ حضرت بہت بلند پایہ ریاضی دان تھے۔ الدولۃ المکیہ پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آجکل Topology کے زمرے میں آتے ہیں"۔[۹]

ایم حسن بہاری نے ایک مقالہ بعنوان "امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں" لکھا ہے، جس میں علومِ جدیدہ میں امام احمد رضا کے تبحّر پر بحث کی ہے اور فتاوٰی رضویہ (جلدِ اوّل) کے بعض مضامین سے علمِ ریاضی، علمِ کیمیا، اور علمِ فلکیات میں امام احمد رضا کی بصیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھا ہے:

"امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یاسائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی متاثر کیا ہے۔"[۱۰]

اسی طرح شبیر حسن بستوی نے اپنے مقالے "امام احمد رضا بحیثیتِ منطقی و فلسفی" میں Atom کے بارے میں امام احمد رضا کے نظریات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۱۱]

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ پایا قرآنِ کریم اور فضلِ الٰہی سے پایا۔ وہ قرآنی یقینیات و بدیہیّات کو سائنسی ظنیات پر فوقیت دیتے تھے، کیونکہ سائنسی نظریات ترقی پزیر ہیں۔ جو ترقی پزیر ہے وہ مکمل نہیں۔ اور قرآنی نظریات مکمل ہیں۔ نامکمل کو تو مکمل کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے، مکمل کو نامکمل کی روشنی میں نہیں۔ قرآنِ کریم نے فکرِ انسانی کا رخ موڑ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم انقلاب آ گیا۔ ذہنوں میں انقلاب، روحوں میں انقلاب۔ مشہور صحابی حضرت معاویہ کے پوتے خالد بن یزید کے شاگرد جابر بن حیّان غالباً اسلام کے پہلے سائنسدان تھے، جنھوں نے ایک کیمیائی لیبارٹری بنائی، تاریخ کے مطالعے سے مسلمان مفکرین و سائنس دانوں کا ایک شاندار سلسلہ نظر آتا ہے مثلاً:

(۱) دنیائے اسلام کا عظیم طبیب "الرّازی" (۸۶۵ء تا ۹۲۵ء) جس نے ۲۰۰ کتابیں لکھیں۔

(۲) "الخوارزمی" (۸۳۵ء تا ۸۴۴ء) جس نے جبر و مقابلہ پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۳) "الفارابی" (م ۹۵۱ء) جس نے طبعیات پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۴) "المسعودی" (م ۹۵۷ء) جس نے نظریۂ ارتقا کے مبادیات پیش کیے۔

(۵) "ابو علی ابن الہیثم" (م ۹۶۵ء) علم بصریات کا ماہر جس نے ریاضیات و طبعیات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔

(۶) مشہور طبیب، ماہر فلکیات، ریاضی داں جغرافیہ داں اور عالمِ طبعیات "ابو ریحان البیرونی" (م ۱۰۴۸ء) جس کی تصنیف "کتاب الہند شہرۂ آفاق ہے۔

(۷) عالمِ اسلام کا مشہور طبیب اور فلسفی "ابو علی ابن سینا" (م ۱۰۷۳ء) جس کی تصانیف "القانون" اور "الشفاء" مغربی دانش گاہوں میں صدیوں داخلِ نصاب رہیں۔

(۸) مشہور شاعر اور ریاضی داں "عُمر خیام" (م ۱۱۲۳ء) جس نے طب پر ۱۶ کتابیں لکھیں۔

(۹) "ابنِ رشد" (م ۱۱۹۸ء) جو علم و فضل پر یونانیوں پر سبقت لے گیا۔

(۱۰) "محمد الدمیری" (م ۱۴۰۵ء) حیاتیات پر جس کی کتاب "حیاۃ الحیوان" سب سے زیادہ مشہور ہے۔[۱۲]

امام احمد رضا مشاہیر اسلام کے اس شاندار سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ وہ ان مشاہیر سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر ان کے افکارِ تازہ پر تحقیقات کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ بہت سے مشاہیر سے آگے نظر آئیں۔

ایجاد و اختراع کا دارو مدار فکر و خیال پر ہے۔ خیال کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ کریم میں خیالوں کی ایک دنیا آباد ہے اور عالم یہ ہے۔ ع

مجبور یک نظــر آ، مختار صد نظــر جا

ہر خیال اپنے دامن میں صدیوں کے تجربات و مشاہدات سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے اس کی بات مانی، اس نے مختصر زندگی میں صدیوں کی کمائی کمالی۔ امام احمد رضا انھی سعادت مندوں میں تھے، جنھوں نے سب کچھ قرآن سے پایا۔ وہ قرآنِ کریم کا زندہ معجزہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمِ لدنی اور فیضِ سماوی سے نوازا تھا، جس کی روشنی میں وہ لاینحل مسئلے حل کر لیا کرتے تھے۔[۱۳] اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو افکارِ تازہ سے نوازا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ بطور تحدیثِ نعمت لکھتے ہیں:

"اس ضروری مسئلۂ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالیٰ کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہٖ تعالیٰ اس ساری کتاب میں

محدود مباحث کے سوا عام بحث وہی ہیں کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی ہیں اور ایک یہی کتاب نہیں بعونہ عزوجل فقیر کی عام تصانیف افکارِ تازہ سے مملو ہوتی ہے حتیٰ کہ فقہ میں جہاں مقلدین کو ابدائے احکام میں مجال دم زدن نہیں۔ تحدثا بنعمۃ اللہ تعالیٰ۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔[14]

امام احمد رضا کی تصنیفات، تالیفات اور حواشی کے مطالعے سے ان کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ حاشیۂ رسالۂ لوگارثم (قلمی) اور حاشیۂ رسالۂ علم مثلث کروی (قلمی) وغیرہ میں انہوں نے (Logarithm Spherical Trigonometry) میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں[15]۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اصطلاحات وضع کیں اور قواعد ایجاد کیے[16]۔

امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت کی بنا پر بڑے بڑے فلاسفہ اور سائنس دانوں پر تنقید کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو اپنی تحقیق پر کتنا اعتماد تھا اور وہ فلسفہ جدیدہ وقدیمہ پر کتنی مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ جامع بہادر خانی کے ایک مسئلے پر ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء میں اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر تنقید کی ہے۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں نظری اور علمی دلائل پیش کیے ہیں[17]۔ ایک جگہ مصنفِ جامع بہادر خانی کی تغلیط کرتے ہوئے کس اعتماد سے لکھتے ہیں:

”واقول۔ این بدیہی البطلان وخطائے واضح است۔“[18]

اسی طرح اپنے رسالے ”فوزِ مبین در حرکتِ زمین (مشمولۂ ماہنامہ الرضا) میں صاحب حدائق النجوم[19] پر سخت تنقید کی ہے۔ مندرجۂ ذیل تنقیدات ملاحظہ فرمائیں:

(ا) دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی، باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔[20]

(ب) اصول الہیأۃ کی تعریف اوس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔[21]

(ج) حدائق نے سُنی سُنائی، اپنی ہوشیاری سے سب دوائر کو ایک مقعرِ سماوی پر لیا، جس کا مرکز، مرکزِ زمین ہے؛ مگر بھولا کہ تمہارے نزدیک وہ مدارِ زمین ہے یا مقعر فلک پر اس کا موازی۔ بہر حال اس کا مرکز، مرکزِ مدار ہے، مرکزِ مدارِ زمین مرکزِ زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے۔[22]

اسی طرح صاحب شمس بازغہ[23]، ملا محمد جونپوری (م ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء) کے بعض خیالات پر سخت تنقید کی ہے[24]۔ حکمۃ العین (مصنفہ نجم الدین علی بن محمد القزوینی (م ۶۷۵ء))۔ اور شرح حکمۃ العین (مصنفہ شمس الدین محمد بن مبارک میرک بخاری) کے بعض مندرجات کو مہمل قرار دیا۔[25] اور تو اور شیخ ابو علی سینا[26] کے بعض خیالات پر بھی شدید تنقید کی۔ چنانچہ مسئلۂ گردشِ زمین پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

دلیل پنجم اس سے بڑھ کر فلک ثوابت، جملہ ممثلات کا بہ تبعیت فلک الافلاک حرکت یومیہ کرنا۔ اور یہاں جو ابنِ سینا نے فرضیت کی جگہ گڑھی، بالکل شیخ چلی کی کہانی ہے۔ کمابیناہ فی کتابنا الفوز المبین[27]۔

پروفیسر حاکم علی مرحوم (پرنسپل، اسلامیہ کالج لاہور) نے سائنس کے جدید نظریات کے سلسلے میں بذریعۂ مراسلت امام احمد رضا سے تبادلۂ خیال کیا۔ امام احمد رضا نے پروفیسر صاحب کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کو یہ ہدایت ونصیحت کی:

”بنگاہِ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھیے اگر حق پائے تو ابنِ سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔“[28]

امام احمد رضا نے اپنے خیالات و نظریات کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اگر کسی محترم شخصیت سے بھی اختلاف ہے تو اس کا برملا اظہار کر دیا ہے مگر ادب و احترام کے ساتھ۔ چنانچہ حضرت امام غزالی کی کتاب تہافتہ الفلاسفہ کی ایک عبارت سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اقول: امام کی شان بالا ہے، فقیر کو یہاں تامّل ہے۔ شک نہیں کہ اجزاء اگرچہ بالفعل نہیں، ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور ان میں ہر ایک کی طرف اشارہ حسیہ جدا ہے اور یہی امتیاز ان کے لیے امتیازِ اوضاع کا ضامن ہے اور یہ امتیاز قطعاً واقع ہے، اعتبار کا تابع نہیں۔“[29]

امام احمد رضا نے جدید و قدیم نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ جن میں بعض جدید نظریات سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ گو نصف صدی قبل وہ نامعقول نظر آتے ہوں کیونکہ وہ زمانہ جدید سائنس سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا زمانہ تھا۔ علومِ جدیدہ کے رعب نے دماغ کو ماؤف اور فکر کو مسلوب کر دیا تھا، اور ناقص کو کامل پر فوقیت دی جا رہی تھی۔

امام احمد رضا نے خرق و التمام، خلا، زمانہ اور ایٹم وغیرہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور جدید سائنس دانوں پر تنقید کی ہے۔ مثلاً آئزک نیوٹن، البرٹ آئین اسٹائن، البرٹ ایف، پورٹا وغیرہ۔

خرق و الیتام کے بارے میں قدیم فلاسفہ کے علی الرغم امام احمد رضا کا خیال ہے!

"فلک پر خرق والیتام جائز ہے۔"[۳۰]

زمانے کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم چاہتے ہیں کہ بتوفیقہ تعالیٰ اس مزلّہ مضلّہ کی بیخ کنی کر دیں، جس پر آج تک کے متفلسفہ کو ناز ہے، وہ یہ کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوا اور شک نہیں کہ یہاں قبل و بعد کا اجتماع محال۔ تو قبلیت نہ ہوئی مگر زمانی۔ تو زمانے سے پہلے زمانہ لازم۔ مواقف[۳۱] و مقاصد و[۳۲] تجرید طوسی[۳۳] و طوالع الانوار[۳۴] بیضاوی[۳۵] و شروح۔ علامہ سید شریف و علامہ تفتازانی و فاضل خوشجی و شمس اصفہانی و شرح دیگر طوالع منسوب بہ تفتازانی و تہافت الفلاسفہ الامام حجتہ الاسلام وللعلامہ خواجہ زادہ میں اس کے متعدد جواب دیے گئے، جن میں فقیر کو کلام ہے۔"[۳۶]

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے موقف کی تائید میں ٦ صفحات پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ زمانہ حادث ہے۔

ایک جگہ خلا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلسفہ قدیم خلا کو محال مانتا ہے، ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے۔"[۳۷]

اور ایٹم[۳۸] کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جزلا یتجزی ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکّب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجب اتصال دو جُز ہے اور حجم حسّی جس طرح ہم نے ثابت کیا، یوہیں تماس حسی ماننا مشکل ہے۔"[۳۹]

آئزک نیوٹن[۴۰] کے بارے میں پہلے لکھتے ہیں:

"نیوٹن نے لکھا ہے کہ اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی۔"[۴۱]

اس قول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہلِ انصاف دیکھیں سردار ہیأۃِ جدیدہ نیوٹن نے کتنی صریح خارج از عقل بات کہی۔"[۴۲]

اس کے بعد علمی بحث کی ہے اور پانچ دلیلوں سے نیوٹن کے خیال کی تردید کی ہے۔

مشہور سائنسدان پروفیسر البرٹ آئین اسٹائن[۴۳] امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا۔ امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں اس کے نظریات پر تنقید کی ہے۔[۴۴] دوسرا امریکی ہیئت دان پروفیسر البرٹ ایف پورٹا[۴۵] یہ بھی امام احمد رضا کا معاصر تھا۔ پروفیسر موصوف نے ایک ہولناک پیش گوئی کی جس سے دنیا کے بعض علاقوں میں دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ اس پیش گوئی کے مطابق ۱۷/دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیاروں کے جمع ہونے اور ان کی کشش سے آفتاب میں ایک بڑا گھاؤ نمودار ہوتا، جس کے نتیجے میں دنیا میں قیامتِ صغریٰ برپا ہو جاتی۔ آندھیاں، طوفان اور زلزلے آتے اور دنیا کے بعض علاقے صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے۔ یہ پیش گوئی بانکی پور (بھارت) کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور پاک و ہند میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا کیونکہ وہ اپنے وقت کے فقیہہ ہی نہیں، ایک عظیم ہیئت داں بھی تھے۔ امام احمد رضا کو اخبار کا تراشہ ارسال کیا گیا اور ان کی رائے لی گئی۔ جواباً انھوں نے مکتوب منہ (مولانا ظفر الدین بہاری) کو لکھا۔

آپ کا پرچہ اخبار آیا۔ نواب صاحب نے ترجمہ کیا۔[۴۶] کسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا۔

سراپا اغلاط سے مملو ہے [۴۷]

(محرّرہ ۴/ صفر ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) امام احمد رضا نے البرٹ ایف پورٹا کے جواب میں ایک محققانہ رسالہ لکھا، جس کا تاریخی نام ''معینِ مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) رکھا۔[۴۸]

اس رسالے میں امام احمد رضا نے پورٹا کے بیان پر ۱۷ مؤاخذات کیے ہیں اور علم ہیئت سے متعلق فاضلانہ بحث کی ہے۔ آخر میں لکھا ہے:

''بیانِ منجم پر اور مؤاخذات بھی ہیں مگر ۱۷/ دسمبر کے لیے ۱۷، پر ہی اکتفا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۴۹]

رسالۂ معینِ مبین پہلے پہل ماہنامہ الرضا (بریلی) کے دو شماروں (صفر و ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) میں شائع ہوا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ اردو میں ہونے کی وجہ سے عالمی سطح پر متعارف نہ ہوسکا۔ اور لوگ امام احمد رضا کے افکار سے باخبر نہ ہوسکے۔ ورنہ ۱۷/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جو دہشت پھیلی تھی نہ پھیلتی۔ اخبار نیویارک ٹائمز (امریکہ) کے ۱۶/ اور ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء کے شماروں [۵۰] کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیرس میں ہزاروں لوگ دہشت کے مارے گرجا گھروں میں گئے اور گڑگڑا، گڑگڑا کر دعائیں کیں،[۵۱] طلبا نے اسکولوں سے چھٹیاں لے لیں،[۵۲] ایک جگہ سائرن اور گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر والے سہم کر رہ گئے۔[۵۳] الغرض ہر طرف موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ مگر جب ۱۷/ دسمبر کا آفتاب غروب ہوا تو پروفیسر البرٹ پورٹا کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا تھا حق ثابت ہوا۔

دنیا کے سارے ہیئت داں پورٹا سے متفق تھے اور ۱۷/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دوربینوں سے مشاہدۂ سماوی میں مصروف، قیامتِ صغریٰ کے منتظر تھے مگر بالآخر ان کی نگاہیں ناکام لوٹیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی فاضل امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کے مزعومات اور امام احمد رضا کے مؤاخذات و تحقیقات کا علمی تجزیہ اور تقابل کریں۔ اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ امام احمد رضا کے مقابلے میں پورٹا کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔

رسالۂ معینِ مبین کی تصنیف کے بعد سیلان افکار نے دوسرے رسائل کے رُخ سے پردہ اٹھایا۔ چنانچہ امام احمد رضا نے اس ضمن میں بعض دلائل رد حرکتِ زمین کے متعلق لکھے جو طویل ہوتے دیکھے تو الگ کرلیے اور ردّ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مستقل رسالہ ''فوز مبین درردِّ حرکتِ زمین''[۵۴] (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) لکھا۔ اپنی تصنیف الکلمۃ الملہمہ میں امام احمد رضا نے اس کا اس طرح ذکر کیا ہے:

''فقیر نے ردِّ فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّٰی بنامِ تاریخی ''فوز مبین درردِّ حرکتِ زمین'' لکھی، جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمینِ باطل کی اور جاذبیّت ونافریت وغیرہ مزعومات فلسفہ جدیدہ پر وہ روشن ردکیے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔''[۵۵]

فوزِ مبین کی فصلِ سوم میں ذیلی حاشیہ لکھا، جس میں وہ دس دلائل نقل کیے جو فلاسفہ قدیمہ نے ردِّ حرکتِ زمین پر دیے ہیں۔ امام احمد رضا نے اِن دلائل کے ابطال میں تیس دلائل پیش کیے اور اس بحث کو ایک تیسری کتاب الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء فلسفۃِ المشئمۃ (مطبوعۂ دہلی، ۱۹۷۴ء) میں مرتب کیا۔[۵۶]

اسلامیہ کالج (لاہور) کے پروفیسر اور پرنسپل پروفیسر حاکم علی مرحوم[۵۷] امام احمد رضا سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہاں آنا جانا تھا اور سائنسی نظریات کے بارے میں بھی ان سے تبادلہ خیال بھی ہوتا تھا۔[۵۸] اس سلسلے کی ایک کڑی امام احمد رضا کی کتاب ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) ہے جو انھوں نے پروفیسر حاکم علی کی ایک تحریر کے جواب میں لکھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

پروفیسر حاکم علی نے ۱۴/ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ / ۱۹۳۰ء کو امامِ احمد رضا کو ایک خط لکھا جس میں حرکتِ زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیرِ جلالین اور تفسیرِ حسینی سے بعض عبارات پیش کیں اور امام احمد رضا سے درخواست کی کہ وہ

حرکتِ زمین کے قائل ہو جائیں۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مدلل اور محقق رسالہ لکھا۔ جس کا عنوان اوپر گزرا۔ اس رسالے میں امام احمد رضا نے ردِّ حرکتِ زمین پر اپنے دلائل پیش کیے اور مندرجہ بالا دو کتبِ تفاسیر کے مقابلے میں ۲۸ کتبِ تفاسیر وغیرہ سے حوالے پیش کیے۔[۵۹] امام احمد رضا کے نزدیک مسئلۂ حرکتِ زمین کو دو ہزار سال بعد ۱۵۳۰ء میں کوپر نیکس نے پھر اٹھا یا۔ ورنہ بقولِ امام احمد رضا پہلے نصاریٰ بھی سکونِ ارض ہی کے قائل تھے[۶۰]۔ امام احمد رضا نے اس رسالے میں پروفیسر حاکم علی کے دلائل کو ضعیف قرار دیا اور مغربی سائنسدانوں کے متعلق لکھا:

''یورپ والوں کو طریقہ استدلال اصلاً نہیں آتا۔ انھیں اثباتِ دعویٰ کی تمیز نہیں، ان کے اوہام جن کو بنامِ دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ مصنف ذی فہم مناظرہ داں کے لئے وہی ان کے رد میں بس ہیں کہ یہ دلائل بھی انہیں علتوں کے پابند ہوس ہیں۔''[۶۱]

پروفیسر حاکم علی نے امام احمد رضا سے یہ التجا کی تھی:

غریب نواز: کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے[۶۲]۔

امام احمد رضا نے اس التجا کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قرآنِ کریم پر ان کے غیر متزلزل ایمان کا آئینہ دار ہے اور ہر مسلمان سائنس دان کے لیے عبرت و نصیحت بھی۔ انھوں نے فرمایا:

''محبِّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہو گی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کرکے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہو گی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے۔ سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں، آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔ ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ۔''

امام احمد رضا مسلمان سائنس دانوں کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پڑھا جائے۔ یعنی کامل کی روشنی میں ناقص کو پرکھا جائے۔ قرآن نے جو کچھ کہا سائنس بالآخر وہیں پہنچتی نظر آتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ نباتات میں جان ہے، جمادات میں جان ہے، کائنات کے ایک ایک ذرّے میں جان ہے۔ پہلے یہ بات عجیب بات لگی۔ اب سب اقرار کر رہے ہیں۔ قرآن نے کہا یہی شب و روز نہیں جو چوبیس گھنٹوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں، بلکہ ایک جہاں ایسا بھی ہے جہاں کے شب و روز کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ پہلے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی رفتہ رفتہ لوگ یہی حقیقت تسلیم کرنے لگے۔ بہک بہک کر سب اسی مقام پر آتے جاتے ہیں۔ جہاں قرآن لانا چاہتا ہے۔ ماہرین کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ امام احمد رضا نے ''حال'' میں رہتے ہوئے ''مستقبل'' کا کہاں تک سفر کیا۔ ممکن ہے وہ نظریات جو امام احمد رضا نے پیش کیے ہیں ان سے قبل یا بعد یورپ و امریکہ کے سائنسدانوں مفکرین نے پیش کیے ہوں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نظریات امام احمد رضا سے قبل پیش کیے گئے ہوں۔ تو ایسی صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امام احمد رضا نے اپنے نظریے کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ وہی ہیں جو ان سے قبل پیش کیے گئے یا ان سے مختلف؟

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات امام احمد رضا کے بعد پیش کیے گئے ہوں، جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے معاشیات میں نظریہ ''روزگار و آمدنی'' کو امام احمد رضا کی اولیات میں شمار کیا ہے۔[۶۳]

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات ایسے ہوں جو مفکرین اور دانشوروں نے ابھی تک پیش نہیں کیے۔ ایسے نظریات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کو اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور پیش کیا جانا چاہیے۔ مثلاً مسئلہ گردشِ زمین جو پہلے

مسلّمات سے تھا، اب اس پر بحث شروع ہوگئی ہے، جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا۔ امام احمد رضا نے بھی اس نظریے کی مخالفت کی اور ۱۰۵/ دلائل سے اس کو رد کیا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کہا ہو، جدید سائنسی تجربات و مشاہدات نے حتمی طور پر اس کی تغلیط کر دی ہو اور مزید بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ چھوڑی ہو۔ ایسی صورت میں بھی امام احمد رضا داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ کیونکہ عالمی مقابلوں میں شکست کھانے والا بھی انعام کا مستحق ہوتا ہے کہ اس نے ایک بڑے مقابلے کے لیے ہمّت تو کی، میدان میں تو آیا۔

جدید و قدیم سائنس کے متعلق امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا، وہ بیشتر عربی و فارسی میں ہے؛ اردو میں بہت کم ہے۔ چنانچہ علمی دشواری یہ ہے کہ اہلِ علم و فن عربی اور فارسی سے واقف نہیں اور جو لوگ یہ زبان جانتے ہیں، وہ علومِ جدیدہ پر حاوی نہیں۔ [۶۴]

ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے امام احمد رضا سے ملاقات کے وقت اسی علمی دشواری کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر سر ضیاالدین نے امام احمد رضا سے کہا:

"افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا"۔[۶۵]

چنانچہ بعد میں انھوں نے ایک آدمی بھیجا کہ امام احمد رضا کی نگرانی میں ان کے افکار و خیالات کو عربی سے اردو میں منتقل کرے۔ مگر اس سے یہ کام نہ ہو سکا کہ فنی کتابوں کا ترجمہ کرنا جوئے شیر لانا ہے۔

۱۹۷۹ء میں راقم نے مشہور سائنس دان پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام کو امام احمد رضا کے کتب و رسائل کی طرف [۶۶] متوجہ کیا تو انہوں نے اظہارِ معذرت کرتے ہوئے لکھا۔

"I shall be happy but I cannot read Arabic."

(ترجمہ: مجھے خوشی ہوتی مگر میں عربی نہیں پڑھ سکتا۔)

لیکن راقم کا اندازہ ہے کہ بلادِ اسلامیہ ایسے علما اور دانشوروں سے خالی نہیں جو جدید و قدیم، دونوں علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے، کم از کم امام احمد رضا کے نادر کتب و حواشی اپنے ہاں محفوظ کر لینے چاہییں تاکہ محققین ایک ہی جگہ آسانی سے استفادہ کر سکیں۔

مآخذ و مراجع

(کُتب)

امام احمد رضا: نزولِ آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعۂ لکھنؤ۔

امام احمد رضا: حاشیۂ رسالۂ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) مطبوعۂ کراچی، ۱۹۸۰ء۔

امام احمد رضا: الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ، مطبوعۂ دہلی، ۱۹۷۴ء۔

امام احمد رضا: حاشیۂ رسالۂ علمِ مثلث کروی، قلمی۔

امام احمد رضا: حاشیۂ الدر المکنون، (قلمی)۔

امام احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی (قلمی)۔

امام احمد رضا: تعلیقات علی الزیج الایلخانی (قلمی)۔

امام احمد رضا: حاشیہ بہادر خان۔ قلمی۔

امام احمد رضا: معینِ مبین بہر دورِ شمس و سکونِ زمین (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) (قلمی)۔

امام احمد رضا: معینِ مبین بہر دورِ شمس و سکونِ زمین مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۵ء۔

اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت و جماعت، لاہور مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۵ء۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلدِ دہم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

باربرا مٹکاف، ڈاکٹر: ہندوستان میں مذہبی قیادت اور علماء مصلحین (۱۸۶۰ھ/ ۱۹۰۰ء) برکلے ۱۹۷۶ء (انگریزی)

برہان الحق مفتی: اکرام امام احمد رضا، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۸۰ء۔

رتن سنگھ بہادر: حدائق النجوم (سہ مجلّات) مطبوعۂ لکھنؤ ۱۸۴۱ء۔

شجاعت علی قادری مفتی: مجدّد الامتہ (عربی) مطبوعۂ کراچی، ۱۹۷۹ء۔

شرکتِ حنفیہ: انوارِ رضا، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۷ء۔

ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ اوّل، مطبوعۂ کراچی۔

فیاض محمود: تاریخِ ادبیات مسلمانانِ ہند وپاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء۔
محمد مسعود احمد، پروفیسر۔ عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۸ء۔
محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۸۷ء۔
محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، مطبوعۂ آلہ آباد، ۱۹۷۷ء۔
نکلس تامس: میراثِ اسلام، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۶۰ء۔

(رسائل)

الرضا (بریلی) شمارہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء۔
الرضا (بریلی) شمارہ ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء۔
الرضا (بریلی) شمارہ ذیقعد ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء۔
الرضا (بریلی) شمارہ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء۔
المیزان (ممبئی) امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء۔
صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء۔

(اخبارات)

افق (کراچی) شمارہ، ۲۲/ جنوری ۱۹۸۰ء۔
جنگ (کراچی) شمارہ، ۱۷/ جنوری ۱۹۸۰ء۔
جنگ (کراچی) شمارہ، ۱۱/ مئی ۱۹۸۰ء۔
نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ، ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۹ء۔
نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ، ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء۔

"حواشی"

۱۔ بانی مدرسہ درسیہ (کراچی) مولانا محمد عبدالکریم درس (۱۳۴۴ھ، ۱۹۲۶ء) نے امام احمد رضا کے سالِ وصال کی مادّۂ تاریخ مقبول حق احمد رضا (۱۳۴۰ھ) نکالا ہے۔
نوٹ: امام احمد رضا کے حالات وافکار کے لیے راقم کا مقالہ "احمد رضا بریلوی" مطالعہ کریں۔ یہ مقالہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، کے جریدے ماہنامہ "فکر و نظر" کے مندرجہ ذیل شماروں میں شائع ہوا ہے۔ "اپریل ۱۹۸۰ء، مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء" مزید تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کریں (ا) فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندوپاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء۔ (ب) محمد مسعود احمد: مقالہ "رضا بریلوی" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلدِ دہم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ (ج) محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، مطبوعۂ الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء۔ (د) المیزان (امام احمد رضا نمبر) ممبئی، مارچ ۱۹۷۷ء۔ (ہ) انوارِ رضا: شرکتِ حنفیہ لمیٹڈ، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۷ء۔ (و) شجاعت علی قادری: مجدّد لامتہ (عربی) مطبوعۂ کراچی، ۱۹۷۹ء۔ (ز) محمد مسعود احمد: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۸ء۔ (ح) محمد برہان الحق: اکرام امام احمد رضا، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۸۰ء۔
۲۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ، مطبوعۂ دہلی، ۱۹۷۴ء، ص ۶۔
۳۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعۂ دہلی، ص ۶۔
۴۔ ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، مطبوعۂ کراچی، ص ۱۵۵۔
۵۔ محمد برہان الحق جبل پوری: اکرامِ امام احمد رضا، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۸۰ء۔
۶۔ مقالہ مطبوعۂ: صوت الشرق (قاہرہ)، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء۔
۷۔ باربرا مٹکاف: ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور علما مصلحین (۱۸۷۰۔۱۹۰۰) برکلے، ۱۹۷۴ء، ص ۳۵۔
۸۔ ابرار حسین، مکتوب بہ نامِ راقم الحروف، مکتوبۂ، ۱۵/ اپریل ۱۹۸۰ء۔
۹۔ ابرار حسین، مکتوب بنامِ راقم الحروف مکتوبۂ ۱۹/ اپریل ۱۹۸۰ء۔
۱۰۔ المیزان، ممبئی: امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۱۔
۱۱۔ ایضاً۔ ص ۲۹۸، ۳۰۱۔
۱۲۔ مزید تفصیلات کے لیے تامس آرنلڈ اور الفرڈ گیام کی تالیف "میراثِ اسلام" مطبوعۂ لاہور، ۱۹۶۰ء کا مطالعہ کریں۔
۱۳۔ احمد رضا: حاشیہ مخطوطہ الدر المکنوں (مخزونۂ مولانا خالد علی

خاں، دار لعلوم مظہر الاسلام، بریلوی)

نوٹ: مولانا خالد علی خاں کے کتب خانے کے مخطوطات سے محترم سیّد ریاست علی قادری (سیلز منیجر ٹی۔ آئی۔ پی، کراچی) کی وساطت سے استفادہ کیا گیا۔ موصوف ۱۹۷۹ء میں تقریباً چالیس قلمی حواشی بریلی سے لائے تھے۔ ان مخطوطات کے عکس شیخ صبور احمد (ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی) کی عنایت سے راقم کو ملے۔

۱۴۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ مطبوعہ دہلی، ص ۵۵۔

۱۵۔ (ا) احمد رضا: حاشیۂ رسالۂ لوگارثم (۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) قلمی، ص ۲۲۔ (ب) احمد رضا: حاشیۂ رسالۂ علمِ مثلثِ کروی، قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خان، دارالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی، ص ۴۔ (ج) احمد رضا: حاشیۂ جامع بہادر خانی، قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خان، دارالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی، ص ۱۔

۱۶۔ (ا) احمد رضا: حاشیۂ تحریر اقلیدس، قلمی، دارالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی، ص ۱۳۱۔ (ب) احمد رضا: حاشیۂ بہادر خانی قلمی، مخزونۂ مولانا خالد علی خان، (دارالعلوم مظہرِ اسلام بریلی، ص ۳۔

۱۷۔ جامع بہادر خانی، قلمی، ص ۷۔

۱۸۔ احمد رضا: حاشیۂ جامع بہادر خانی قلمی، (ایضاً) ص ۴۔

۱۹۔ حدائق النجوم: راجہ رتن سنگھ بہادر ہشیار جنگ زخمی کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ (مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۸۴ھ) کتب خانہ خاص (انجمن ترقی اردو کراچی) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔ (ا) جلدِ اوّل، صفحہ ۱ تا ۳۸۶۔ (ب) جلدِ دوم، صفحہ ۳۸۷ تا ۷۷۰۔ (ج) جلدِ سوم، صفحہ ۷۷۱ تا ۱۱۵۸۔

۲۰ تا ۲۲۔ ماہنامہ الرضا، (بریلی) شمارۂ ذولحجہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء، ص ۴۵۔

۲۳۔ میر باقر استر آبادی (م ۱۰۴۱ھ ۱۶۳۴ء) کی تصنیف الافق المبین کے جواب میں ملّا محمد جونپوری نے خود اپنی کتاب الحکمۃ البالغہ کی شرح شمس البازغہ کے نام سے لکھی۔

۲۴۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ مطبوعہ دہلی، ص ۱۹ و حاشیہ ص ۸۰۔

۲۵۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ مطبوعہ دہلی، ص ۴۵۔

۲۶۔ ابنِ سینا ۳۷۰ھ ۹۸۰ء میں پیدا ہوا اور ۴/ رمضان المبارک ۴۲۸ھ / ۲۱/ جون ۱۰۳۷ء میں ہمدان (ایران) میں انتقال کیا۔ اسلام کا مشہور دانشور جو ریاضی، فقہ، ادب، ہندسہ، حیات، فلسفہ اور طب وغیرہ پر عبور رکھتا تھا۔ اس نے ۱۷، ۱۶ سال کی عمر میں شاہِ بخارا کا علاج کیا، اور کتب خانۂ شاہی کا انچارج ہوا۔ طب میں "القانون"، منطق و فلسفہ میں "الشفاء"، طبیعیات میں "تسعِ رسائل" اور ہندسہ میں "ترجمہ اقلیدس" اس سے یادگار ہیں۔

۲۷۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۲۔

۲۸۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۷۔

۲۹۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۳۸۔

۳۰۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۷۔

۳۱۔ المواقف، مصنفۂ عبد الرحمٰن ابن احمد الایجی (م ۷۵۶ھ)۔

۳۲۔ المقاصت مصنفۂ سعد الدین مسعود بن محمد تفتازانی (م ۷۹۱ھ)۔

۳۳۔ تجرید، مصنفۂ نصیر الدین بن جعفر بن محمد طوسی (م ۶۷۶ھ)۔

۳۴۔ طوالع الانوار، مصنفۂ عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)۔

۳۵۔ بیضاوی، مصنفۂ عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۲۸۵ھ)۔

۳۶۔ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ مطبوعہ دہلی، ص ۹۹، ۹۸۔

۳۷۔ ماہنامہ الرضا، بریلی، شمارۂ ذیقعد ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء ص ۳۹۔

۳۸۔ تقریباً ۴۰۰ قبلِ مسیح، مشہور یونانی فلسفی، دیمقراطبس (Democritus) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے۔ جب یہ ملتے ہیں تو صورت نکلتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ان اجزا کو تقسیم کرتے چلے جائیں تو ایک ایسا مرحلہ بھی آئے گا کہ مزید ٹکڑے کرنا ناممکن ہو گا۔ اس سے جُزلا یتجزی (ایٹم) کا نظریہ ابھرا یونانی زبان میں ایٹم کے معنٰی ہیں "ناقابلِ تقسیم"۔ ۱۸۹۸ء میں جے جے ٹامس (J.J. Thomas) نے اس کے خلاف نظریہ پیش کیا اور کہا کہ ایٹم توڑا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا کا یہی عہد تھا اور یہی نظریہ ۱۹۱۱ء میں رودر فورڈ (Ruther Ford) نے اس خیال کو توسیع دی اور کہا کہ ایٹم کا ایک مرکز ہے، جس کو نیوک لس (Nucleus) سے تعبیر کیا، اس میں نیوٹرون (Neutron) اور پروٹون (Proton) موجود ہیں اور

الیکٹرون نیوکلیس کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں نیل بوہر (Nilli Bohr) نے کہا کہ الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون ایٹم کے حصے ہیں اور محور تبدیل کرتے وقت طاقت خارج کرتے ہیں۔

۳۹؎ احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ مطبوعہ دہلی، ص ۱۳۷۔

۴۰؎ نیوٹن ایک غریب کسان کا لڑکا تھا۔ لندن سے ۱۰۰ کلو میٹر ایک گاؤں (Woolsthorpe) میں ۲۵/ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ۱۲/ سال اسی گاؤں میں رہا اور ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔ ۱۶۶۱ء میں کنگ اسکول سے میٹرک کیا۔ ۱۶۶۵ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کیا اور ۱۶۶۹ء میں ریاضی میں ایم اے کیا۔ ۱۶۷۲ء میں رائل سوسائٹی کا رکن منتخب ہوا، اور ۱۷۰۳ء میں صدر۔ وہ ٹکسال کا ناظم اعلیٰ بھی رہا۔ ۱۷۰۵ء میں ملکہ این (Anne) نے "سر" کا خطاب دیا۔

نیوٹن نے ۲۳/ برس کی عمر میں ۱۶۶۵ء میں نظریۂ "کششِ ثقل" پیش کیا، سیّاروں کے بیضوی محور کو دریافت کیا، تین اساسی اصولِ حرکت دریافت کیے، اختلافِ رنگ اور انتشارِ نور کا باہمی تعلق دریافت کیا، یہ بتایا کہ سفید رنگ سات رنگ کی شعاعوں کا مجموعہ ہے، آواز کی رفتار دریافت کی اور عکس انداز دوربین ایجاد کی، Differential Calculus سے متعارف کرایا اور Binomial Theorem ایجاد کی۔ ۲۰/ مارچ ۱۷۲۷ء کو ۸۵/ سال کی عمر میں نیوٹن کا انتقال ہوا اور لندن کے ویسٹ منسٹر گرجا میں رکھا گیا۔ نیوٹن کی دو کتابیں یادگار ہیں: (۱) الاصول (Principia) مولّفہ ۱۶۸۵-۸۶ء اور (۲) النّور (Optics)۔

۴۱؎ ماہنامہ الرضا، بریلی، شمارۂ ذیقعد ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ص ۳۹۔

۴۲؎ ماہنامہ الرضا، بریلی، شمارۂ ذیقعد ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ص ۴۰۔

۴۳؎ آئین اسٹائن (Einstein) ۱۴/ مارچ ۱۸۷۹ء کو مغربی جرمنی کے مقام اولم میں پیدا ہوا۔ جب جرمنی سے نکلنا پڑا تو امریکہ چلا گیا، اور پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر ریاضیات مقرر ہوا۔ امریکہ میں جوہری توانائی کا کام اسی کے کہنے پر شروع کیا گیا۔ اس نے طبیعیات میں گراں قدر دریافتیں کیں اور نظریۂ اضافیت پیش کیا ۱۹۵۲ء میں امریکہ میں اس کا انتقال ہوا۔

۴۴؎ احمد رضا: معینِ مبین بہر دورِ شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء)، قلمی، ص ۱۴۔

۴۵؎ پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کے متعلق بعض حضرت کا خیال ہے کہ یہ مشیگن یونیورسٹی (امریکہ) سے متعلق رہا۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹیورن یونیورسٹی (اٹلی) میں پروفیسر رہا۔ بہر حال یہ سان فرانسسکو (امریکہ) کے ماہرِ ثواقب (Meteorologist) کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۶، ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء۔

۴۶؎ نواب صاحب سے مراد نواب وزیر احمد خان صاحب ہیں۔

۴۷؎ ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ اوّل مطبوعہ کراچی، ص ۲۹۔

۴۸؎ اس رسالے کا مخطوطہ جامعہ راشدیہ (پیر گوٹھ، سندھ) کے شیخ الجامعہ مولانا تقدس علی خان صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کا عکس محترم سیّد ریاست علی قادری صاحب (سیلز منیجر، ٹی۔ آئی۔ پی) کراچی کی عنایت سے ملا۔ اب یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، نے شائع کر دیا ہے۔ نیز اخبارِ جنگ (کراچی)، شمارۂ جنوری ۱۹۸۰ء اور اخبارِ افق (کراچی)، شمارۂ ۲۲/ جنوری ۱۹۸۰ء میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

۴۹؎ احمد رضا: معینِ مبین بہر دورِ شمس و سکونِ زمین (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء)، قلمی، ص ۱۸۔

۵۰؎ کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف کی عنایت سے ان شماروں کے تراشے ملے۔ راقم ان کا ممنون ہے۔

۵۱؎ نیویارک ٹائمز (امریکہ)، شمارۂ ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء۔

۵۲؎ ایضاً

۵۳؎ ایضاً

۵۴؎ اس کتاب کا کچھ حصّہ امام احمد رضا کی زندگی میں ماہنامہ "الرضا" (بریلی) کی تقریباً ۱۲ قسطوں میں (رجب ۱۳۳۸ھ تا جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ) شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۳۸ تا ۴۰) میں ایک قسط نظر سے گزری، دوسری قسط ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۴۱ تا

۴۸) میں مطالعہ کی پہلے شمارے میں ردِّ حرکتِ زمین پر ۲۲ سے ۲۵ دلائل ہیں۔ اور دوسرے شمارے میں ۲۵/ سے ۳۳ تک۔ دلائل کی کل تعداد ۱۰۵ تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شماروں میں کل مقالے کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ شیخ الجامعہ، جامعہ راشدیہ، سندھ، مولانا تقدس خان صاحب نے فرمایا کہ ماہنامہ الرضا کے صفحات پر رسالے کا ایک حصہ شائع ہوا تھا، جس کا فائل ان کے پاس محفوظ تھا جو کہ اب بنگلہ دیش میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسالے کا اصل مخطوطہ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ جو امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب کے پاس محفوظ تھا۔ خواجہ رضی حیدر سے معلوم ہوا کہ غالباً ایک مخطوطہ ماریشس میں مولانا محمد ابراہیم خوشتر کے پاس بھی تھا۔ حُسنِ اتفاق کہ محمد یوسف صاحب میمن جن کے پاس الرضا کا فائل ہے، مقالے کی تیاری کے بعد مورخہ ۷ نومبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں راقم سے ملنے آئے اور فرمایا کہ فائل بنگلہ دیش میں محفوظ ہے۔

۵۵۔احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ مطبوعۂ دہلی، ص ۵۔

نوٹ: نظریۂ حرکتِ زمین میں اختلاف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی ایک خاتون سائنس دان زہرا مرزا قادری نے اختلاف کیا ہے جس کو اخبارِ جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱ مئی ۱۹۸۰ء نے نقل کیا ہے۔ زہرا قادری کو کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) میں اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

۵۶۔یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں دہلی میں چھپ کر میرٹھ میں شائع ہوگئی ہے۔

۵۷۔پروفیسر حاکم علی انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے بانیوں میں تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے مشہور پروفیسر اور بعد میں پرنسپل رہے۔ ۱۹۲۵ء میں کالج سے سبک دوش ہوئے اور ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔ تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے (۱۴/ صفر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) میں انھوں نے امام احمد رضا سے فتویٰ لیا اور اسی پر عمل کیا۔ پروفیسر حاکم علی صاحب کے تلامذہ پرنسپل دارالعلوم السنۃ الشرقیہ، لاہور، آقائے بیدار بخت نہایت ممتاز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

"مولانا حاکم علی مرحوم ریاضی میں اس قدر ماہر تھے کہ کلاس روم میں بڑے اعتماد سے بغیر کسی کتاب کے گھنٹوں پڑھاتے رہتے۔" (اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہلسنت، لاہور، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۹۔)

۵۸۔احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعۂ لکھنؤ، ص ۴ تا ۱۷۔

۵۹۔امام احمد رضا کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ مخاطب اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے جس فن کی کتابوں سے دلائل پیش کرتا ہے، اسی فن کی کتابوں سے اس کا رد کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر مقام پر اپنا علمی تبحر قائم رکھتے ہیں۔

۶۰۔ احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعۂ لکھنؤ، ص ۲۳۔

۶۱۔ احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان، مبطوعۂ لکھنؤ، ص ۲۳۔

۶۲۔احمد رضا نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعۂ لکھنؤ، ص ۲۴۔

۶۳۔ رفیع اللہ صدیقی: فاضلِ بریلوی کے معاشی نکات، مطبوعۂ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳ تا ۱۴۔

نوٹ: ۱۹۱۳ء میں امام احمد رضا نے یہ نظریہ پیش کیا پھر بعد میں ۱۹۲۶ء میں کنیز (Keynes) نے یہ نظریہ پیش کرکے انگلستان کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا۔

۶۴۔ انگریزی نظامِ تعلیم نے ہم کو فارسی و عربی سے بیگانہ کرکے ماضی سے منقطع کردیا۔ ہم علمائے دین کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اور اس کا احساس نہیں کہ انھوں نے ہم کو ہمارے شاندار ماضی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی قابلِ مبارک باد ہے کہ اس نے اپنے یہاں عربی اور اسلامی کلچر کو لازمی مضامین کی حیثیت دی ہے۔

۶۵۔ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ اوّل ص ۱۵۲۔

۶۶۔محررہ ۱۹۷۹ء۔

❁❁❁❁❁

تعارفِ "المعتمد المستند" حاشیۂ "المعتقد المنتقد"

مولانا قاضی محمد شہید عالم رضوی (جامعہ نوریہ، رضویہ، بریلی شریف)

علمِ عقائد ایک اہم ترین علم ہے، جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات اور انبیا و رسل کے احوال اور قیامت اور اس کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نسبت سے کون کون سی باتیں واجب ہیں؟ اور کیا کیا محال ہیں؟ اور کون کون سی چیزیں جائز ہیں؟ یوں ہی انبیا و رسل کے حق میں کیا کیا باتیں واجب ہیں؟ اور کون سی باتیں محال ہیں اور کون کون سی چیزیں جائز و ممکن ہیں؟

ان تمام باتوں کا اجمالی علم ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ اس علم کو علمِ کلام، علمِ توحید سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ گمراہ فرقوں نے اپنے فاسد و باطل اعتقادات و مزعومات کی بنیاد فاسد استدلالوں پر رکھی اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہوئے تو علمائے اہلسنّت حق کی تحقیق و تدقیق اور باطل کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اہل ایمان واہل حق کی حفاظت و صیانت کی جائے اور جو سادہ لوح افراد گمراہ و باطل فرقوں کے دام میں پھنس گئے ہیں ان کو گمراہی سے نجات دلائی جائے۔ لہٰذا ردو ابطال کے خاصے مباحث علمِ عقائد کا حصہ بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ عقائد میں لکھی جانے والی کتابیں اس دور میں پائے جانے والے باطل فرقوں کے ردوابطال سے مملو ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "المعتقد المنتقد" (۱۲۷۰ء) عقائد اہلسنّت پر نہایت اہم کتاب ہے اس میں بعض نئے اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی کی گئی جو مکہ معظّمہ میں ایک بزرگ کی فرمائش پر تصنیف کی گئی ہے اس پر اپنے دور کے بڑے بڑے نامور علماءِ اعلام اور علم و فضل کے آفتاب و مہتاب مثلاً مجاہدِ جہاد آزادی جامع معقول و منقول علوم عقلیہ کے امام استاذ مطلق مولانا محمد فضلِ حق خیر آبادی، مرجع علما و فضلا حضرت مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی مؤلف "منتہی الکلام" وغیرہم نے گرانقدر تقریظات تحریر فرمائیں اور نہایت پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

مولانا حکیم محمد سراج الحق خلف الرشید مجاہد عظیم مولانا فیض احمد بدایونی نے اس پر حاشیہ لکھا پھر حامی سنن ماحی فتن مولانا قاضی عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی اشاعت کا ارادہ فرمایا لیکن اس وقت جو مطبوعہ نسخہ موجود تھا اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں واقع ہو گئی تھیں حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ کی خواہش پر خاتم المحققین معجزۃ من معجزات سید المرسلین مرجع علما منبع فضلا امام اہلسنّت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس کتاب کی تصحیح کی۔ پھر اسد اسد، اشد ارشد حضرت مولانا مولوی مفتی وصی احمد سنی حنفی محدث سورتی نزیل پیلی بھیت علیہ الرحمہ کی گزارش پر امام اہلسنّت حضور اعلیٰ حضرت نے نہایت بیش قیمت حاشیہ تحریر فرمایا۔ حاشیہ کیا ہے اپنے میں ایک گنجِ گراں مایہ ہے چند بحثیں تو اتنی عظیم الشان ہیں کہ اتنی تفصیل، تحقیق اور تدقیق کے ساتھ دوسری کتاب میں مشکل ہی سے مل سکیں گی۔

اس قیمتی حاشیے کو امام احمد رضا قدس سرہ نے "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" (۱۳۲۰ھ) سے موسوم کیا۔ مذکورہ حاشیے میں مندرجہ ذیل بحثیں خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً فعل مکلّف میں حسن وقبح عقلی یا شرعی۔ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال کے اسی کی جانب سے واجب ہونے کی تائید و تحقیق جو علماءِ حنفیہ ماترید یہ کا مذہب ہے۔ مذہب معتزلہ کہ جو افعال بندوں کے حق میں اصلح ہوں وہ افعال اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں اس کا رد بلیغ۔ نیز ان باطل فرقوں کا رد بلیغ جو مصنف علام علیہ الرحمہ کے بعد پیدا ہوئے جیسے نیچریہ، چکڑالویہ، قادیانیہ، دیوبندیہ وغیرہ۔

وہ باطل فرقے جن کی سرکوبی مصنف علام حضرت سیف اللہ المسلول معین الحق فضل رسول علیہ الرحمہ اور مجدد دین و ملت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کردی تھی اب وہ فتنے پھر سے سر اٹھار ہے ہیں اور سادہ لوح عوام کو اپنے دام مکر و فریب میں پھانسنے کے لیے پورا زور صرف کررہے ہیں۔ کچھ گمراہ حکومتیں بھی ان کی پشت پناہی کررہی ہیں لہٰذا، اس دور کا تقاضا ہے کہ ان کتابوں کی نہ صرف خوب خوب اشاعت کی جائے بلکہ "المعتقد المنتقد" اور "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" جیسی کتاب تو باقاعدہ داخلِ درس کی جائے اور طلبہ کو سبقاً سبقاً پڑھائی جائے۔

الحمد للہ یہ دونوں کتابیں بعض مدارس میں داخلِ درس ہیں اور باقاعدہ تعلیم دی جارہی ہے۔ لیکن بعض مدارس اہلسنّت میں اب بھی داخل درس نہیں ہیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک تو علمِ کلام میں فلسفیانہ مباحث داخل ہوجانے کی وجہ سے یہ فن دیگر فنون کے مقابلے میں ادق اور مشکل سمجھا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کے ادق مباحث کے حل کے لیے اب تک کوئی عام فہم حاشہ یا شرح نہیں لکھی گئی جس میں تمام عبارتوں کی تشریح اور مشکل الفاظ و تراکیب کی تنقیح اور تحلیل کی گئی ہو۔ رہا امام احمد رضا کا حاشیہ تو وہ حقیقت مسائل کلامیہ کی تحقیق و تدقیق پر مشتمل ہے، اس میں محشی علام نے خاص خاص مقامات میں تنقیح و تشریح فرمادی ہے، تمام الفاظ و عبارات کی تنقیح و تشریح کا التزام نہیں فرمایاہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ متن و حاشیہ دونوں کی تشریح یا تحشیہ یا ترجمہ تحریر کیا جائے تاکہ داخل درس کرنے میں جو رکاوٹ ہے وہ دور ہوسکے۔

مجاہدِ سنیت قائد اہلسنّت عالی جناب حضرت مولانا شعیب صاحب جو تاج الشریعہ، فقیہِ اسلام، جانشینِ مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ کے خویش بھی ہیں اور خلیفہ بھی، نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور تاج الشریعہ کی بارگاہ میں متن و حاشیہ دونوں کا ترجمہ تحریر فرمانے کی گزارش کی اور حضور تاج الشریعہ نے بھی ان کی گزارش کو منظور فرمالیا اور انھیں کی تحریک پر اس عظیم کام کا ارادہ فرمالیا، جب تبلیغ و ارشاد کے دورے پر سری لنکا کے سفر پر روانہ ہوئے حسن اتفاق کہ حضرت مولانا شعیب صاحب اور تاج الشریعہ کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد عسجد رضا صاحب مدظلہ ہمراہِ سفر ہوئے کتاب "المعتقد المنتقد" ساتھ رکھ لی گئی۔ بالآخر مورخہ ۲۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۳/ اگست ۲۰۰۳ء بروز ہفتہ بعد نمازِ مغرب لنکن گھڑی سے سات بجکر ۲۵/ منٹ پر اور انڈین ٹائم سے چھ بجکر ۵۵ منٹ پر بر مکان الحاج عبد الستار صاحب رضوی کولمبو سری لنکا، ترجمہ تحریر کرنے کے اس عظیم کام کا آغاز کردیا گیا۔ جس طرح یہ کتاب اپنے موضوع میں منفرد و لاثانی ہے اسی طرح ترجمے کا انداز بھی عام تراجم سے بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ ایک تو حضرت کی نگاہ کمزور، دوسرا کتاب کا خط نہایت باریک حضرت کے لیے عبارت دیکھ کر ترجمہ کرنا مشکل امر تھا لہٰذا عالی جناب حضرت مولانا شعیب صاحب پڑھتے جاتے اور تاج الشریعہ فی البدیہہ ترجمہ بولتے جاتے اور مولانا شعیب صاحب صفحۂ قرطاس پر تحریر کرتے جاتے، جہاں جب موقع میسر ہوتا ترجمہ کا عمل جاری و ساری رہتا، حتی کہ ٹرین اور پلین پر بھی یہ مبارک کام موقوف نہ رہا۔ اس طرح اس ترجمے کا بعض حصہ سری لنکا میں لکھا گیا اور بعض حصہ ملاوی اور بعض حصہ ٹرین و پلین پر اور کچھ حصہ بریلی شریف میں قیام کے دوران لکھا گیا۔

اس وقت حضور تاج الشریعہ کی شخصیت ہند و بیرون ہند، میں مرجعِ خلائق ہے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں مریدین و متوسلین اور عقید تمندوں کا جم غفیر مشتاقِ زیارت رہتا ہے۔ ان کو نیاز حاصل کرنے کا موقع مرحمت فرمانا ایک بہت بڑا کام ہے اور لوگ جو حاضر نہیں ہوپاتے فون کے ذریعے اپنے دل کی مراد حاصل کرتے ہیں، کوئی مسئلۂ شرعی دریافت کرتا ہے، کوئی اپنی پریشانی پیش کرکے آپ کی بارگاہ سے اس کا مداوی چاہتا ہے غرض حضرت تاج الشریعہ کی شخصیت ہر وقت مرکزِ توجہ بنی رہتی ہے۔ ان گونا گوں مصروفیات کے باوجود چھ ماہ کی قلیل مدت میں ترجمے کا کام مکمل فرمادیا۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ مصنف، محشی اور مترجم کے مختصر احوال کو ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے۔

احوالِ مصنّف:

خاتم المحققین، عمدۃ المدققین، سیف الاسلام، اسد السنہ، سد الفتنہ، مولانا الاجل، السیف المسلول، معین الحق فضلِ رسول سنی حنفی، قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ کا سلسلۂ نسب جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ العزیز، ابن حضرت مولانا شاہ عبد الحمید قدس سرہ ہیں حضرت شاہ عین الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرشد برحق حضرت سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی علیہ الرحمہ کے ارشد خلفا میں سے ہیں۔ ماہ صفر ۱۲۱۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، حضرت اچھے میاں کے ارشاد کے مطابق آپ کا نام فضلِ رسول رکھا گیا۔

صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم جد امجد مولانا عبد الحمید سے اور کچھ اپنے والدِ ماجد مولانا شاہ عین الحق عبد المجید سے حاصل کی اور بارہ برس کی عمر میں پاپیادہ فرنگی محل لکھنؤ میں ملک العلما بحر العلوم قدس سرہٗ کے جلیل القدر شاگرد حضرت مولانا نور الحق قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چار سال میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے، جمادی الآخرہ ۱۲۲۸ھ کو حضرت مخدوم شاہ عبد الحق ردولوی علیہ الرحمہ کے مزار کے سامنے عرس کے موقع پر مولانا عبد الواسع لکھنوی، مولانا ظہور اللہ فرنگی محلّی و دیگر اجلہ علما کی موجودگی میں رسمِ دستار بندی ادا ہوئی، پھر مرشد برحق حضور اچھے میاں کے ارشاد کے بموجب فنِ طب کی تکمیل فرمائی۔ آپ کو والدِ گرامی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ نقشبندیہ، ابو العلائیہ اور سلسلۂ سہروردیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حج کے مبارک سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں شیخ مکہ حضرت عبد اللہ سراج اور شیخ مدینہ حضرت عابد مدنی سے علمِ تفسیر و حدیث میں استفادہ کیا۔

ہندوستان کے آخری تاجدار سلطان بہادر شاہ ظفر کے دربار سے اختلافی مسائل کی تحقیق کے لیے سلطان کی نگاہ آپ پر مرکوز ہوئی اور آپ نے پندرہ صفحات پر مشتمل شافی و کافی جواب تحریر فرمایا اس فتوے پر اس زمانے کے اجلہ علمانے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے، آپ نے عبادت و ریاضت، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کے مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور اعتقادیات، درسیات طب اور فقہ و تصوف میں قابلِ قدر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان کی چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) سیف الجبار (۲) بوارق محمدیہ (۳) تصحیح المسائل (۴) المعتقد المنتقد (۵) فوز المؤمنین (۶) تلخیص الحق (۷) احقاق الحق (۸) شرح فصوص الحکم (۹) رسالۂ طریقت (۱۰) حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ (۱۱) حاشیہ میر زاہد ملا جلال (۱۲) طب الغریب (۱۳) تثبیت القدمین (۱۴) شرح احادیث ملتقطۂ ابواب صحیح مسلم (۱۵) فصل الخطاب (۱۶) حرز معظم۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے جب برٹش گورنمنٹ کے ایما پر "تقویۃ الایمان" لکھ کر اہلِ سنّت و جماعت کے عقائد کو متزلزل کرنے اور ہندوستان میں ان کا شیرازہ منتشر کرنے کا ناپاک قدم اٹھایا تو بہت سے علما تحفظ دین کی خاطر میدان میں اتر آئے۔ بعض نے اس سے مناظرہ کیا۔ مثلاً مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا موسیٰ دہلوی صاحبزادگان مولانا محمد رفیع الدین محدث دہلوی یہ دونوں حضرات اسماعیل دہلوی کے سگے چچازاد بھائی ہیں اور معقولات کے مسلم الثبوت امام، استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مولانا رشید الدین خاں اور ان کے علاوہ بیشمار علمائے اعلام نے اسماعیل دہلوی کے باطل خیالات کی تردید فرمائی۔ اور حضرت مخصوص اللہ دہلوی نے "تقویۃ الایمان" کو "تفویت الایمان" کہا، بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے "تقویۃ الایمان" پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ محمد فاخر الہ آبادی قدس سرہ فرماتے تھے:

"کہ جب اسماعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" لکھی اور سارے جہان کو مشرک و کافر بنانا شروع کیا اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے۔ افسوس کے ساتھ فرمایا: میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں،

آنکھوں سے بھی معذور ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدۂ فاسد کا رد بھی "تحفۂ اثناء عشریہ" کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے۔"

(مولانا محمد ظفر الدین بہاری، پاسبان امام احمد رضا نمبر ص ۱۹، ۲۰)

معین الحق سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو کو تشنہ نہ رہنے دیا اور "بوارق محمدیہ" اور "المعتقد المنتقد" تصنیف فرما کر ان کی آرزو کی تکمیل فرمادی۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت ہی طویل ہے تاہم آپ کے تلامذہ میں درج ذیل علمائے کرام خاص طور پر قابل ذکر ہیں: (۱) مولانا شاہ محی الدین ابن شاہ فضلِ رسول قادری (م ۱۲۷۰ھ) (۲) تاج الفحول محبّ الرسول مولانا شاہ محمد عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ) (۳) مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (۴) قاضی القضاۃ مولانا شاہ اسد اللہ خاں الہٰ آبادی (م ۱۳۰۰ھ)

جب آپ کی عمر شریف ۷۷؍ برس کی ہوئی تو آپ کے شانوں کے درمیان پشت پر زخم نمودار ہوا ایک دن قاضی شمس الا سلام عباسی سے فرمایا:

"قاضی صاحب بمقتضائے "واما بنعمۃ ربک فحدث" آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربارِ نبوت سے استیصال فرقہ وہابیہ کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ الحمد اللہ! کہ فرقۂ باطلہ اسماعیلیہ واسحاقیہ کا رد پورے طور پر ہو چکا دربارِ نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی، میں اس دار فانی سے جانے والا ہوں۔"

۲؍ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء بروز جمعرات خلف رشید مولانا شاہ محمد عبدالقادر بدایونی کو بلا کر نمازِ جنازہ کی وصیت کی۔ ظہر کے وقت اسمِ ذات کے ذکر خفی میں مصروف تھے کہ اچانک دو دفعہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا ایک نور دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہو کر غائب ہو گیا اور ساتھ ہی روح قفسِ عنصری سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احوالِ محشّی:

شیخ الاسلام والمسلمین معجزۃ من معجزات سید المرسلین اعلیٰ حضرت مجددِ اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ولادتِ باسعادت ۱۰؍ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ ظہر کے وقت ہوئی، پیدائشی نام "محمد" تاریخی نام "المختار" اور عرف احمد رضا قرار پایا۔

ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ سے حاصل کی، اس کے بعد درسیات کی تمام کتابیں اپنے والدِ ماجد امام المتکلمین حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں قدس سرہٗ سے پڑھیں، تیرہ سال دس ماہ چار دن کی مختصر سی عمر شریف میں تمام درسیات سے فراغت حاصل کر لی، اسی وقت سے افتا و اصلاح اور تصنیف و تالیف کا کام شروع فرمایا جو آخر عمر تک جاری رہا۔

خدمتِ دین آپ کی جبلت میں داخل تھی۔ پچاس سے زائد علوم و فنون میں تقریباً ایک ہزار کتب ورسائل، تعلیقات و حواشی یادگار چھوڑے، بارہ ضخیم جلدوں میں آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ علم وعرفان کا موجیں مارتا ہوا وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے، جو علمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے وارث اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر اتم ہونے کی شہادت دیتا ہے، آپ کی کس تصنیف کو خاص طور سے قابل ذکر کہوں میری عقل و خرد، فکر و نظر فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ جس تصنیف کو اٹھائیے جس زاویۂ نگاہ سے دیکھیے استحضارِ معانی، تعمق نظر، احاطۂ مضامین، کثرتِ دلائل، قوتِ استدلال اور طرزِ ادا، ہر پہلو بے مثال نظر آتا ہے۔ فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث اور عقائد وکلام میں آپ کی تصنیفات کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس مختصر تحریر میں ساری تصنیفات کے نام درج کرنے کی گنجائش نہیں، تاہم مندرجہ ذیل کتابیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ، ۱۲؍ جلدیں (۲) حاشیہ ردالمحتار ۵؍ جلدیں (۳) حاشیہ فتاویٰ عالمگیری (۴) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، حرم شریف میں تحریر فرمائی (۵) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ مکۂ معظمہ میں صرف آٹھ گھنٹے میں تحریر فرمائی۔ (۶) ہادی الکاف فی احکام الضعاف (۷) شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام، ان دونوں کی تاج الشریعہ نے

تعریب و تحقیق و تعلیق فرمادی ہے (۸)حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلا تین (۹)الروض البہیج فی اداب التخریج (۱۰)حیاۃ المواۃ فی سماع الاموات (۱۱)انباء الحی (۱۲)کشف العلۃ عن سمت القبلہ (۱۳)زیرِ نظر کتاب "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" وغیرہ۔

امام احمد رضا کے وسعتِ مطالعہ کا یہ حال تھا کہ فقہ وحدیث کی جن کتابوں کی عبارات واقتباسات اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاوٰی میں تحریر فرمائے ان کتابوں کے نام اس دور کے بڑے بڑے فقیہ و محدث کو یاد نہ ہوں گے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں آپ کے درس کی ہیں؟ تو آپ نے جواب میں مندرجہ ذیل کتبِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"مسندِ امامِ اعظم، وموطاامام محمد، کتاب الآ ثار امام محمد، وکتاب الخراج امام ابو یوسف، کتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآ ثارامام طحاوی، مؤطاامام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام محمد وسنن دارمی، وبخاری ومسلم وابو داؤد، وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص ومنتقی الجارود، علل متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع صغیر ومنتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام وعمل الیوم والیلہ وابن السنی، کتاب الترغیب وخصائص کبریٰ، وکتاب الفرج بعد الشدۃ وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتبِ حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں۔"

[اظہار الحق جلی، صفحہ ۲۴ تا ۲۵]

امام احمد رضا کا محقق فقید المثال ہونا غیر جانب دار اربابِ فکر ودانش کے نزدیک بھی مسلّم امر ہے، چنانچہ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں: "ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔" (امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، ص ۹۴)

بلکہ امام احمد رضا کے مخالفین تعصب اور بغض وعداوت کے باوجود امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بلند پایہ محقق ہونے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ جیسا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیوں کہ وہ بہت بڑے عالمِ دین اور بلند پایہ محقق تھے۔"

(رسالہ ہادی دیوبند، ص ۲۰ / ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ)

دیوبندیوں کے مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جنھیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا ایک زبردست عالمِ دین اور فقیہ ہیں۔"

(رسالہ دیوبند، ص ۲۱ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ)

اغیار کے مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجے کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔"

(رسالہ الندوہ، ص ۱۷ / اکتوبر ۱۹۱۴ء)

مولوی ابو الحسن ندوی لکھتے ہیں:

"وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے۔ رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں انکی نظیر مشکل سے ملے گی۔"

(ملخصاً نزہۃ الخواطر، ج ۸ / ص ۴۰، ۴۱)

جب حکومتوں نے دراہم ودنانیر (چاندی اور سونے کے سکّوں) کی جگہ کاغذی نوٹوں کو رواج دیا اور نوٹ کی شرعی حیثیت کو متعین کرنے کا مسئلہ پیش آیا، تو اس وقت ہندوستان ہی کے علما کو نہیں بلکہ علمائے حرمین شریفین کو بھی اس مسئلہ میں سخت اشکال درپیش ہوا تو امام احمد رضا قدس سرہ نے حرم شریف میں قیام کے دوران اس الجھے ہوئے بالکل نئے مسئلے کو "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" (۱۳۲۴ھ) لکھ کر بڑی آسانی کے ساتھ حل فرمادیا اور "فتح القدیر" کی عبارت "لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ" جو نوٹ کے تعلق سے بالکل صریح جزئیہ ہے۔ صاحب الفتح القدیر حضرت ابن ہمام نے گویا خاص نوٹ ہی سے متعلق تحریر فرمایا تھا، امام احمد رضا نے اپنے جواب میں نقل فرمائی تو علمائے

حرمین شریفین حیرت میں پڑ گئے اور یوں گویا ہوئے "ہمیں یہ عبارت کیوں نہ ملی؟" ۱۲۹۵ھ میں مرشدِ برحق تاجدارِ مارہرہ حضور سید شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ والرضوان کے دست حق پرست پر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ اللہ اکبر پیر ومرشد کی کیسی کیمیااثر نظر تھی اور کس درجہ قلب صافی لے کر بیعت ہوئے تھے، کہ اسی جلسے میں مرشدِ برحق نے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کسی مدرسے میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے تعلیم نہ دی بلکہ اپنے دولت کدے میں رہ کر ہی تشنگانِ علوم کو فیضیاب کیا، آپ کے خاص خاص تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں: (۱) استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضاخاں علیہ الرحمہ۔ (۲) حضرت مولانا محمد رضا خاں علیہ الرحمہ۔ (۳) حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضاخاں علیہ الرحمہ۔ (۴) تاجدارِ اہلسنّت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ۔ (۵) حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ۔ (۶) صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی علیہ الرحمہ۔(۷) ملک العلماحضرت علامہ مفتی سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ۔ (۸) حضرت مولاناسید محمد میاں محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ۔ (۹) حضرت مولانا نواب سلطان احمد خاں علیہ الرحمہ۔ ان کے علاوہ اور بہت سے علماءِ کرام ہیں جو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بحرِ علم وفضل سے سیراب ہوئے۔

۱۲۹۵ھ میں اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ زیارتِ حرمین طیبین سے مشرف ہوئے اور اکابرِ دیارِ حرم مثل حضرت سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور حضرت عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے سندِ حدیث وفقہ واصول وتفسیر ودیگر علوم حاصل فرمائی۔ ایک دن نمازِ مغرب مقامِ ابراہیم میں ادا کی، بعد نماز امام شافعیہ حضرت حسین ابن صالح جمال اللیل نے بلا تعارفِ سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہمراہ اپنے دولت کدے پر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: "انی لا جد نور اللہ فی ھذا الجبین۔ (یعنی بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں۔)" اور صحاحِ ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی، اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اعلیٰ درجے کی ذہانت وفطانت عطا فرمائی، حتیٰ کہ دورانِ تعلیم ہی صرف آٹھ سال کی ننھی سی عمر میں "ھدایۃ النحو" کی شرح تحریر فرمائی اور صرف دس سال کی عمر شریف میں "مسلم الثبوت" و" فواتح الرحموت" کے عربی زبان میں بہت مبسوط حواشی تحریر فرمائے۔ ملک العلما حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"مسلم الثبوت کا قلمی نسخہ معریٰ، جسے اعلیٰ حضرت نے اپنے پڑھنے کے زمانے میں محشّیٰ کیا تھا، اس پر کہیں کہیں اعلیٰ حضرت کے والدِ ماجد قدس سرہٗ کا بھی حاشیہ تھا، ۱۳۲۴ھ میں جب میں اپنے استاذ محترم جناب مولانا سید بشیر احمد صاحب علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے مسلم الثبوت پڑھتا تھا میرے مطالعہ میں رہتا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں مسلم الثبوت محشّیٰ مطبع مجتبائی دہلی کے علاوہ شرح مسلم الثبوت علامہ بحر العلوم مسمیٰ بہ "فواتح الرحموت" و"شرح مسلم الثبوت" علامہ عبد الحق خیر آبادی و"شرح مسلم" مولانا بشیر حسن مسمیٰ بہ "بکشف المبہم" بھی تھی بلکہ ان سب سے مزید مجموعہ مطبوعہ مصر "مختصر علامہ ابن حاجب" اور اس کی شرح "عقدیہ" اور حواشی "بردی" وغیرہ کہ اسی زمانے میں چھپی تھی جو اصل ماخذ "مسلم الثبوت" کا ہے یہ سب کتابیں میرے مطالعے میں تھیں، لیکن اعلیٰ حضرت کے حاشیۂ مبارک کی شان ہی کچھ اور تھی۔" (حیات اعلیٰ حضرت، ج اوّل، ص ۲۶۳)

احوالِ مترجم:

تاج الشریعہ، بدرالطریقہ، مرجع عالم، فقیہ اعظم شیخ الانام، یادگار حجۃ الاسلام، حضرت العلام الحاج الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری برکاتی بریلوی متعنا اللہ بطول حیاتہ کی مقناطیسی شخصیت عالم اسلام خصوصاً برصغیر ہندو پاک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ ہر جہت سے اپنے آباواجداد کے حقیقی وارث اور جانشین ہیں،

علم و فضل، زہد و تقویٰ، خلوص وللّٰہیت کے پیکر، پاس داری شرع میں اپنے اسلاف کے عکسِ جمیل ہیں۔

دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں اور مفکروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نسلِ انسانی کا سب سے پہلا مدرسہ آغوشِ مادر اور صحنِ خانہ ہے اگر گھر کا ماحول مذہبی ہے تو بچہ بھی مذہبی سانچے میں ڈھلا ہوگا اور اگر گھر کا ماحول مغرب زدہ ہے تو بچہ بھی مغربی تہذیب و تمدن سے آلودہ ہوگا اور کہیں گھر کی تہذیب دہریت زدہ ہے تو بچہ کا خدا پرست ہونا مشکل اور اگر بچہ مجدد وقت کے صحن خانہ اور حجۃ الاسلام، مفتیِ اعظم، مفسرِ اعظم کی شفقتِ خاص اور آغوشِ کرم کا پروردہ ہو تو کیوں نہ وہ اپنے وقت کا "تاج الشریعہ، فقیہِ اعظم و مفتیِ اعظم" ہو۔ "ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے" یہ ایک مشہور مقولہ ہے اور حضور تاج الشریعہ اس مقولے کی منہ بولتی تصویر ہیں، نور و نکہت برستے ہوئے حسین چہرے پر ایسی دلکشی و بانکپن ہے جس پر سج دھج اور بناؤ سنگار کی ہزاروں رعنائیاں نثار۔ اگر لاکھوں کے مجمع میں جلوہ بار ہوں تو اہلِ جمال کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ آپ علم ظاہری کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور علمِ باطنی کے کوہِ گراں ہیں، کشور علم و فضل کے شہنشاہ اور اقلیم روحانیت کے تاجدار ہیں۔

حضور تاج الشریعہ کی ولادتِ باسعادت ۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳/ نومبر ۱۹۴۳ء بروز منگل محلّہ سوداگران رضا نگر بریلی شریف میں ہوئی، بعض لوگوں نے حضرت کی تاریخ پیدائش نادانی میں یکم فروری ۱۹۴۳ء لکھی ہے جو سراسر غلط ہے۔ تاج الشریعہ کی عمر جب چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو آپ کے والدِ ماجد حضور مفسرِ اعظم ہند نے رسم "بسم اللہ خوانی" کی ایک عظیم الشان تقریب کا انعقاد فرمایا، جس میں دارالعلوم کے جملہ طلبا واساتذہ کی پر تکلف دعوت کی تاجدار اہلِ سنّت حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے رسم بسم اللہ خوانی ادا کرائی۔

تاج الشریعہ نے قرآنِ پاک ناظرہ اپنی والدۂ مشفقہ سے گھر ہی پر پڑھا، اردو کی ابتدائی کتابیں اپنے والدِ ماجد حضور مفسرِ اعظم ہند سے پڑھیں اس کے بعد حضرت مفسرِ اعظم ہند نے آپ کا داخلہ دارالعلوم منظرِ اسلام میں کرا دیا، جہاں آپ نے فارسی اور نحو و صرف کی ابتدائی کتب نحو میر و میزان، منشعب سے ہدایہ آخرین و جلالین تک کتبِ متداولہ کی تعلیم دارالعلوم منظرِ اسلام کے قابل اور ذی استعداد اساتذۂ کرام سے حاصل کی۔ منظرِ اسلام سے فراغت کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ ازہر مصر میں "کلیۃ اصول الدین" میں داخلہ لیا، جہاں مسلسل تین سال تک فن تفسیر و حدیث اور اصولِ حدیث کی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں سند سے نوازے گئے۔ جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد تاج الشریعہ نے ۱۹۶۷ء میں فتاویٰ نویسی کا آغاز فرمایا اور تقریباً چونتیس سال سے مسلسل افتاء کی عظیم ذمے داری بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، تاج الشریعہ کے فتاوٰی کی ترتیب و تدوین کا کام شب و روز جاری ہے جن کا مجموعہ تقریباً ۵/ جلدوں پر مشتمل ان شاء اللہ العزیز عنقریب منظرِ عام پر آرہا ہے۔

حضور تاج الشریعہ کو بیعت و ارادت کا شرف حضور مفتی اعظم ہند سے حاصل ہے۔ جب آپ کی عمر صرف ۲۰/ سال کی تھی تو حضور مفتی اعظم ہند نے میلاد شریف کی ایک محفل میں آپ کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو یہ خلافت ۱۵/ جنوری ۱۹۶۲ء / ۱۳۸۱ھ کو عطا ہوئی۔ حضور تاج الشریعہ کو سید العلما اور برہانِ ملت قدس سرہما سے بھی جمیع سلاسل کی اجازت حاصل ہے، آپ کے والدِ ماجد حضور مفسرِ اعظم ہند نے قبل فراغت ہی آپ کو اپنا جانشین بنا دیا تھا اور ایک تحریر بھی قلم بند فرما دی تھی۔ حضور تاج الشریعہ کے مریدین ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، ماریشس، ہالینڈ، لندن، ساؤتھ افریقہ، امریکہ، مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ، ریاض، انگلینڈ، عراق، ایران، ترکی، لبنان، بیروت وغیرہ ممالک میں علما و فضلا، شعرا و ادبا، مشائخ و فصحا، مفکرین و محققین، مصنفین، قائدین، ریسرچ اسکالرز، ڈاکٹرز، پروفیسرز جیسے افراد پر مشتمل لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں جو آپ کی غلامی پر فخر کرتے ہیں۔

تاج الشریعہ نے پہلے حج و زیارت کی سعادت ۱۴۰۳ھ

مطابق ۱۹۸۳ء میں حاصل کی، دوسرے حج سے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اور تیسرے حج سے ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں مشرف ہوئے، اس کے علاوہ عمرہ وزیارت سے مشرف ہوئے، جب آپ تیسرے حج کے لیے گئے تو سعودی حکومت نے آپ کو بیجا گرفتار کرلیا۔ اس موقع پر آپ نے جس حق گوئی وبے باکی کا مظاہرہ کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ تاج الشریعہ نے اپنے کثیر تبلیغی اسفار کے باوجود بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ آپ کی تصانیف و تراجم میں درجِ ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں:

تصانیف و تراجم: (۱) الحق المبین [عربی، اردو] (۲) ٹی وی ویڈیو کا شرعی آپریشن (۳) تصویروں کا شرعی حکم [ترجمہ] (۴) فضیلتِ نسب [ترجمہ] (۵) فضیلتِ صدیق اکبر [ترجمہ] (۶) حضرت ابراہیم کے والد تارخ یا آزر (۷) ہجرتِ رسول ﷺ (۸) دفاعِ کنزالایمان (۹) مرأۃ النجدیۃ [عربی] (۱۰) شرح حدیث نیت (۱۱) تین طلاقوں کا شرعی حکم (۱۲) ٹائی کا مسئلہ (۱۳) آثارِ قیامت (۱۴) حاشیہ بخاری [نمونہ رضا اکیڈمی نے شائع کیا ہے] (۱۵) سنو چپ رہو (۱۶) سفینۂ بخشش [نعتیہ دیوان]

مقالات: (۱۷) کیا دین کی مہم پوری ہوچکی (۱۸) اسمائے سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ (۱۹) جشنِ عیدِ میلاد النبی ﷺ (۲۰) ازہر الفتاویٰ انگریزی دو حصے۔

تاج الشریعہ کی شخصیت کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آپ کو دین و مذہب سے والہانہ وابستگی کے ساتھ ساتھ موزونیِ طبع، خوش کلامی، شعر فہمی اور شاعرانہ ذوق بھی ورثے میں ملا ہے۔ آپ بیک وقت مفکر و مدبر اور مدرس و محدث و محقق و مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاندار مترجم بھی ہیں۔ ترجمہ کیا ہے؟ لگتا ہے مستقل تصنیف ہے، ترجمہ نگاری کی جاں فشانیوں کا صحیح اندازہ ان حضرات کو بخوبی ہوگا جنھیں اس سے واسطہ پڑا ہوگا، وہ بھی علمِ کلام سے متعلق کتاب کا ترجمہ تو نہایت ہی مشکل ترین امر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فلسفیانہ ومنطقیانہ مباحث کثرت سے ہوتے ہیں جن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بدلنا بڑا مشکل امر ہوتا ہے؛ لیکن منجملہ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ علمِ کلام کی اصطلاحات کو اردو زبان کے آسان اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قاری معمولی غور وفکر سے ان مطالب ومفاہم کو آسانی کے ساتھ سمجھ لے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ ترجمہ عوام وخواص بالخصوص مدرسین و طلبائے مدارس اسلامیہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ ربِّ قدیر اس کتاب کو مقبولِ خاص و عام اور مفیدِ انام بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

❂ ❂❂ ❂ ❂

قارئین کرام توجہ فرمائیں!

ان شاء اللہ معارفِ رضا کا سالنامہ اپریل ۲۰۱۱ء میں شائع کیا جائے گا۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق اس سالنامہ کی اشاعت کے لیے وقت درکار ہے اس لیے معارفِ رضا سالانہ اس کانفرنس کے موقع پر شائع نہیں ہوگا۔ جبکہ معارفِ رضا ماہنامہ جاری رہے گا۔ معارف رضا کے رکن حضرات کو اردو سالنامہ معارفِ رضا اعزازی طور پر روانہ کیا جائے گا۔ انگریزی معارفِ رضا ممبران کو ۵۰ فیصد رعایت پر ملے گا۔

رضویات میں
علامہ شمس بریلوی کے انقلاب آفریں کارنامے

مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرم ہے
انہیں سے دولتِ عقبا ملی ہے
(خوشتر صدیقی)

ادیبِ شہیر محققِ بے نظیر حضرت علامہ شمس الحسن بریلوی علیہ الرحمۃ ۱۳۳۷ھ /۱۹۱۹ء میں بریلی شریف (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ۳ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ / ۱۳ مارچ ۱۹۹۷ء کی شب کراچی میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی شریف سے سند فراغت لی۔ اسی مدرسے میں ۱۹۳۵ء سے شعبۂ فارسی کے استاد کی حیثیت سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور ۱۹۴۵ء تک وہاں خدمات انجام دیں۔ جس وقت آپ نے مدرسۂ منظرِ اسلام چھوڑا، اس وقت آپ شعبۂ فارسی کے صدر مدرس تھے۔ آٹھ سال تک اسلامیہ کالج بریلی میں پروفیسر رہے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان ہجرت کی۔ کراچی آکر محکمۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے۔ آپ کی تقریباً ساری زندگی جہاد بالقلم میں گزری۔ حتیٰ کہ بسترِ علالت پر بھی آپ قلمی جہاد میں مصروف رہے۔ بالآخر اس دنیا سے جہاد بالقلم کے غازی بن کر کوچ فرما گئے۔ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ ہمارے لیے مینارۂ نور تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے نہایت ہی محبت و شفقت سے پیش آتے اور بروقت راہ نمائی فرماتے تھے۔ جب بھی آپ کی خدمت میں کوئی استفسار روانہ کیا، فوری جواب پایا۔ علالت میں بھی جواب دینے کی کبھی تاخیر نہ فرمائی۔

علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ آسمانِ علم وادب کے روشن آفتاب تھے۔ آپ بیک وقت شاعر، معلم، محقق، صاحبِ اسلوب نثر نگار اور بے مثال مترجم تھے۔ سینکڑوں تحقیقی مقالات ومضامین، تراجم، مقدمات اور تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آپ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ”سرورِ کونین کی فصاحت“ پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے قومی سیرت ایوارڈ اور علمی خدمات کی بنا پر ستارۂ امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ فارسی ادب میں آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے ایران کی ”حافظ شیرازی اکیڈمی“ نے آپ کو ”علامہ“ کے خطاب سے نوازا۔ آپ کے علمی، تحقیقی اور ادبی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ آپ کے تمام علمی کارناموں کو احاطۂ تحریر میں لانا ایک مشکل کام ہے اور اس کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ البتہ رضویات کے حوالے سے راقم اپنے ممدوح علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کے چند انقلاب آفریں کارناموں کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو تا ہے۔

علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کو امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سے کئی نسبتیں حاصل ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اسی شہر خوباں بریلی شریف کے رہنے والے تھے۔ پھر آپ کی ولادت بھی اسی دولت کدے پر ہوئی جہاں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ تولد ہوئے تھے، آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز بھی امام موصوف کے قائم کردہ دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی شریف سے کیا۔ پھر اسی دارالعلوم میں بحیثیت مدرس شعبۂ فارسی کی مسند سنبھالی۔ دو واسطوں سے آپ کا سلسلۂ بیعت وارادت بھی امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سے منسلک ہے۔ یعنی آپ کو علامہ مفتی تقدس علی خان علیہ الرحمۃ، جن کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت و تلمذ حاصل تھا اور ان کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے داماد اور خلیفۂ مجاز تھے۔ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ

الرحمۃ کے نہ صرف ہم نشیں بلکہ مزاج میں بھی دخیل تھے، حضرت موصوف جامعہ رضویہ کے تنظیمی معاملات میں آپ سے مشاورت فرماتے اور آپ کی رائے کی بڑی قدر ومنزلت فرماتے۔ گویا آپ حضرت موصوف کے رفیقِ خاص بھی تھے۔

عاشقِ رضا علامہ سید محمد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے علمی آثار کو عام کرنے اور ان پر تحقیق کرنے کے لیے ۱۹۸۰ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی قائم کیا۔ اس ادارہ کے اولین سرپرستوں اور معاونین میں علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کا نام نہایت روشن اور نمایاں ہے۔ آپ آخر دم تک ادارے کی نہ صرف سرپرستی بلکہ علمی طور پر علمی تعاون بھی فرماتے رہے۔ ادارے کا سالنامہ "معارف رضا" بھی آپ کی اور مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کے ایماء پر نکالا گیا بلکہ اس کا نام بھی انھی کا تجویز کردہ ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے انقلاب آفریں کارنامے سرانجام دینے پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے ۱۹۹۱ء میں آپ کو امام احمد رضا گولڈ میڈل اور سندِ امتیاز پیش کی۔ ادارے کے بانی علامہ سید محمد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

"آپ کی خدمات اسلام کی سربلندی اور خصوصاً عالمِ اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تحقیق وتدقیق کے سلسلے میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی ان بے لوث خدمات کا کون معترف نہیں۔ ہم یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اب حضرت امام احمد رضا کا نام ذہن میں آتے ہی جو ایک اور نام فوراً لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ آپ ہی کا اسمِ گرامی ہے"۔

(سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی: جہانِ شمس مطبوعہ کراچی، ص ۲۱۴)

دنیائے رضویات میں آپ کے کارناموں کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ پر کوئی محقق قلم اٹھائے گا تو آپ کا حوالہ دیے بغیر آگے نہیں بڑھے گا۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ رضویات میں آپ کے انقلاب آفریں کارنامے اس پر شاہد و عادل ہیں۔ ان گراں قدر کارناموں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

کلامِ رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد مکتبۂ رضویہ بریلی کے کارپردازوں نے کلام رضا کی ترتیب وتدوین کی طرف توجہ کی۔ بس جیسا ان کی سمجھ میں آیا اس طرح اس کو مرتب کر دیا۔ آپ کے دیوان کی صحیح اور ادبی ترتیب کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ بالآخر میرے ممدوح علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ نے کلام رضا کا بنظرِ غائر مطالعہ فرمایا اور نہ صرف کلام رضا کو جدید تدوین وترتیب دی بلکہ نہایت محنت اور لگن سے کلام رضا کے محاسن کا احاطہ کرتے ہوئے ایک مبسوط تجزیاتی مقدمہ "کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ" بھی رقم فرمایا جو تنقید و تبصرہ کے باب میں اپنی مثال آپ ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نعتیہ شاعری پر محققین کے لیے مشعلِ راہ بن گیا ہے۔ بقول پروفیسر فیاض احمد کاوش:

"اس میں شعر وشاعری کی تاریخ وتنقید، علمی نکتے اور ادبی رموز، شاعری کے تقاضے اور خود شاعر سے اس کے عہد کے مطالبے سبھی کچھ ہے اور پھر ان ادبی حقائق کی روشنی میں اپنے ممدوح حضرت رضا کی فکر رسا اور حسن داد، ان کی شعری لہجے کی دل نشینی اور پھر اس میں عالمانہ رنگ آمیزی، زبان کی لطافت اور بیان کی فصاحت، اپنے ممدوح کی شاعری کا قدیم وجدید شعراء سے موازنہ اور ان کے محاسنِ سخن، نعت شریف کی نزاکت اور حضرت رضا کی ارادت، اس تلوار کی دھار پر حسین توازن کا برقرار رکھنا، ایک عجوبۂ روزگار ہے"۔

(سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی: جہانِ شمس، مطبوعہ کراچی۔ ص ۱۹۹)

غرضیکہ تحقیق کے میدان میں یہ گراں قدر مقدمہ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کے تبحر علمی کا روشن ثبوت ہے اور کلام رضا کے حوالے سے آپ کا ایک انقلاب آفریں کارنامہ ہے۔ ۱۹۷۶ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے اپنے روایتی انداز میں اسے زیور طبع سے نوازا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ رضویہ کا موازنہ

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو "فقہ" میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی ساری زندگی فقہ حنفی کی خدمت میں بسر ہوئی۔ آپ اپنے عہد کے عظیم فقیہہ تھے۔ اپنے معاصرین میں ممتاز و نمایاں تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ رضویہ" بے مثال ولازوال ہے۔ پاک وہند کے علمی سرمائے میں "فتاویٰ عالمگیری" کے بعد "فتاویٰ رضویہ" کی شہرت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ "فتاویٰ عالمگیری" حکومت وقت کی سرپرستی میں تیار ہوا، جبکہ فتاویٰ رضویہ کی تیاری میں کسی حکومت کی سرپرستی شامل نہ تھی، اول الذکر فتاویٰ تبحر علماء کی ایک جماعت کی محنت کا ثمر تھا جبکہ موخر الذکر فتاویٰ فردِ واحد کی کاوش کا ثمرۂ شیریں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری صرف مسائل پر مشتمل ہے اور فتاویٰ رضویہ کے اکثر وبیشتر فتاویٰ دلائل وبراہین کا انبار لیے ہوئے ہیں۔ اس میں قرآن وحدیث اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل بھی پیش فرمادیا گیا ہے۔

علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ نے زیرِ عنوان نہایت ہی بلند پایہ تصنیف میں فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ رضویہ کا موازنہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فقہی مقام کو اجاگر کیا ہے۔ بلاشبہ یہ میرے شمس کا بہار آفریں کارنامہ ہے۔ یہ کوئی ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ جب منصۂ شہود پر آئے گا تو اہل انصاف علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ آپ کی اس انمول کاوش کو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا منظر عام پر لانے کی تیاری میں مصروف ہے۔

آفتاب افکارِ رضا

"آفتاب افکارِ رضا" علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کی فکر رسا کا ایک عظیم کارنامہ اور عبقریِ عصر امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی علمی خدمات اور افکارِ عالیہ پر ایک منفرد منظوم مقالہ ہے۔ یہ تقریباً پانچ ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔ کسی ایک شخصیت کی علم و فکر کے حوالے سے ہزاروں اشعار پر مشتمل اردو زبان میں یہ پہلا منظوم مقالہ ہے۔ مثنویِ "آفتاب افکار رضا" تحریر فرمانے میں آپ مصروف تھے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بارہ اشعار پر ایک صاحب نے اعتراضات کیے۔ مولانا سید وجاہت رسول قادری مدظلہٗ نے آپ کی توجہ ان اعتراضات کی طرف مبذول کرائی تو آپ نے اسی مثنوی میں ان اعتراضات کے منظوم جوابات بھی شامل فرمالیے۔ آپ خود راقم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اعتراضات بہت وزنی تھے، نظم تو نظم کسی نے نثر میں بھی جواب نہیں لکھا، یہ سب کچھ فیضانِ رضا ہے ورنہ بے چارہ کس قطار و شمار میں ہے۔"

(مکتوب گرامی بنام راقم، محررہ ۱۳، اگست ۱۹۹۵ء)

امام احمد رضا کا علمی شاہکار فتاویٰ رضویہ کا خطبہ عربی زبان و ادب کا ایک ایسا شہ پارہ ہے جو عربی کلاسیکی نثر کے نمونے کے طور پر دنیا کی تمام جامعات کے نصاب میں شامل کرنے کے قابل ہے۔ اس میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہادیے گئے ہیں۔ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ "آفتاب افکار رضا" میں مثنوی کی بحر میں فتاویٰ رضویہ کے عدیم النظیر خطبے کی تشریح و توضیح اور اس کی تمام فنی اور علمی خوبیوں کو صفحۂ قرطاس پر لائے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر راقم کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"آج تک جو کام کسی نے نثر میں انجام نہیں دیا تھا، وہ میں نے مثنوی کی بحر میں انجام دیا ہے، صورتِ احوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ یگانہ روزگار تھے، علوم دینیہ میں بے عدیل و مثیل تھے، جوبات کی وہ لاجواب کی۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ کا جو خطبہ ہے، میں نے جب تقابلی جائزہ تحریر کرنا شروع کیا تو متعدد مجموعہ ہائے فتاویٰ دیکھے، یقین کیجیے، حمدِ الٰہی اور نعتِ نبی ﷺ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو یا تین سطریں اور بس! اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے یہاں حمد و نعت و منقبت بھی اور پھر کمال یہ ہے کہ اس حمد، نعت اور منقبت میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ فقہ حنفی کی کتابوں کے نام ہیں یعنی حمد و نعت سندِ ایہام و توریہ میں ہے۔ کسی نے اس خطبہ کے اس کمال کو واضح کرنے کی زحمت نہیں کی، اس کی وضاحت کوئی آسان کام نہیں۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گا کہ وہ اپنے منہ سے اپنی تعریف

ہو گی، میں نے ہر طرف سے مجبور ہو کر اس کام کو شروع کیا، نوے (۹۰) فقہی کتب کے نام حمد و نعت میں استعمال کیے ہیں مثلاً فرماتے ہیں الحمدللہ ہو فقہ الاکبر یہ اللہ جل شانہ کا وصف اور ثناء بھی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف لطیف بھی، پڑھنے والے کو یہ بتاتا ہے کہ ''فقہ اکبر'' کیا ہے، مصنف کون ہے، کب لکھی تھی اور اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں؟ حمد کے بعد نعت شروع فرماتے ہیں اور اس میں کہتے ہیں۔ فانہ الاصل المحیط بکل من فصل بسیط یہ گرامی مرتبت نعت ہے اور ''محیط''، ''بسیط'' فقہ کی گراں قدر کتابیں ہیں، اب قاری کو بتاتا ہے کہ فقہ حنفی میں ''بسیط'' اور ''محیط'' کیا ہیں، مصنف کون ہے، کب تصنیف ہوئی ہیں، یہ متن ہے یا شرح کی شرح اور فقہ حنفی میں اس کا کیا رتبہ ہے۔ اس کے بعد یہ بتاتا ہے کہ اس میں نعت نبوی ﷺ کیا ہے۔ سرکار والا ﷺ کے کیا اوصاف بیان ہوئے ہیں، الغرض یہ کوہ بے ستون کو کاٹ کے جوئے شیر لانا ہے۔ روزانہ ایک گھنٹہ اس پر صرف کرتا ہوں اور پھر دن بھر درد کے لیے بے چین رہتا ہوں، نوے (۹۰) کتابوں کے تذکرے میں، کتابوں کا تعارف اور اوصاف نبوی ﷺ اور حضور والا کے کمالات کو معرض بیان میں لا چکا ہوں اور باری تعالیٰ کے حضور اب دستِ بدعا ہوں کہ اتنی زندگی عطا فرمادے کہ اس کام کو مکمل کرلوں۔ تقریباً ۳۰۰ اشعار ہو چکے ہیں اور ۴۰۰، ۵۰۰ اور ہوں گے۔ اس کو مثنوی کی بحر میں لانا کس قدر دشوار ہے، کتابوں کے نام بعض ایسے ہیں، ان کو موزوں کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ بہر حال حضور ﷺ کی نظر کرم اور رحمت شاہانہ سے کام چل رہا ہے''۔ ملخصاً

(مکتوب گرامی بنام راقم محررہ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء)

میرے ممدوح کا یہ بے مثال کارنامہ پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے بے مثال خطبے کے اوصاف کو تقریباً ۳۰۰۰ اشعار میں اور مثنوی کی بحر میں لانا علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ کا انقلاب آفریں کارنامہ ہی تو ہے! ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا آپ کے اس فقید المثال کارنامے کو منظرِ عام پر لانے کی سعادت سے بہرہ ور ہو گا۔ انشاءاللہ العزیز!

امام احمدرضا کی حاشیہ نگاری

فقہ اور دیگر فنون میں حاشیہ نگاری کی اہمیت سے اہلِ علم آگاہ ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں مشکل مقامات کو علمائے کرام نے حواشی لکھ کر سہل بنانے کی کوشش کی ہے، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے بھی فقہ کی معروف کتابوں پر حاشیہ نگاری کی ہے جو دیدنی ہے۔ لیکن آپ کے ان حواشی تک رسائی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ بالآخر عاشقِ رضا علامہ سید محمد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ ان حواشی کی تلاش و جستجو میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ بریلی شریف سے یہ عظیم تحفہ (تقریباً ڈھائی سو حواشی) پاکستان لائے اور یہ صدا لگاتے رہے: ؎

من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

ان کی اس صدائے دلنواز پر کسی نے کان نہ دھرے اور کسی نے ان کی اس مساعی کو نہ سراہا! بالآخر میرے ممدوح شمس بریلوی علیہ الرحمۃ خاموش نہ رہ سکے اور علامہ سید محمد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ ''اس متاع عزیز کا اگر کوئی خریدار نہیں بنتا اور ان حواشی کے تعارف اور تحقیقی جائزے کے لیے اگر کوئی تیار نہیں ہوتا تو لائیے مجھے دیجیے''۔ چنانچہ آپ نے کئی ماہ کی مدت صرف کرکے منقولات و معقولات کی مشہور کتب پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حواشی کو یکجا کیا۔ یہ حواشی دو جلدوں میں سمائے۔ پہلی جلد میں ۱۵ کتب اور دوسری جلد میں ۱۰ کتب کے حواشی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ شروع میں حاشیہ نگاری کی ابتداء اور تدریجی ارتقاء پر سیر حاصل بحث ہے۔ پھر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی حاشیہ نگاری کی خصوصیات کو نمایاں طور پر پیش فرمایا ہے۔ اس میں ہر ایک کتاب و محشی کے، مصنف کے تعارف کے بعد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حاشیے کو اس طرح پیش فرمایا کہ آپ نے جہاں جہاں محشی کو تنبیہ اور آگاہ فرمایا، تعقب کیا ہے، ان مقامات کو حاشیے سے انتخاب کرکے پیش فرمایا اور توضیح و تصریح کے مقامات کی نشاندہی فرمائی۔ ''امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری'' کی یہ دونوں جلدیں ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۶ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

معارف نعت

سلام رضا پر طارق رضا عبد القیوم طارق سلطانپوری کی تضمین ثانی ''برہان رحمت'' پر ''معارف نعت'' کے عنوان سے علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ نے عدیم النظیر اور وسیع وبسیط مقدمہ رقم فرمایا ہے جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مقدمہ تضمین نگاری پر جامعیت کے لحاظ سے بلا مبالغہ اپنی نوعیت کا بے مثال نمونہ ہے۔ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ نے مقدمے کا آغاز عہد نبوی ﷺ سے فرمایا ہے اور نعت نبی ﷺ کی نمایاں مثالیں دی ہیں۔ اس کے بعد اُموی عہد اور عباسی عہد میں نعت کے اندازو اصول اور محققانہ اظہار خیال فرماتے ہوئے نامور نعت گو شعراء کے نعتیہ کارناموں پر نہایت ہی فاضلانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے اور نمایاں نعتیہ گلہائے عقیدت پیش فرمائے ہیں۔ اس کے بعد برصغیر پاک وہند کی فارسی اور اردو نعت گوئی کا مفصل جائزہ لیا ہے اور تمام دبستان سخن سے تعلق رکھنے والے معروف ثنا خوان حضور ﷺ کی مدحت سرائی کو تحقیقی انداز میں پیش کرتے ہوئے سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ یہ پاکیزہ سلسلۂ گفتگو عصر حاضر کے نعت نگار حضرات تک پھیلایا گیا ہے۔ بالخصوص امامِ نعت گویاں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بے مثال نعتیہ شاعری اور عالمگیر شہرت کے حامل سلام ''مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' اور اس پر لکھی گئی معروف تضمینوں کی ادبی وفنی حیثیت کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔ بالخصوص ''برہان رحمت'' کے علمی و ادبی اور فنی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ''برہان رحمت'' اس گراں قدر مقدمے کے ساتھ زیر طبع ہے۔ اس کی اشاعت سے عاشقان مصطفی ﷺ یقیناً شاد کام ہوں گے اور نعت گوئی کی تحریک کو بھی اس سے ضرور تقویت ملے گی۔ برصغیر پاک وہند میں اس تحریک کے آغاز کا سہرا بھی امام نعت گویاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے سر اقدس پر سجا ہوا ہے۔

متفرقات

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے آپ نے جو مقالات سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی کے لیے لکھے تھے وہ بھی قابل ستائش ہیں۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔☆ فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام، مشمولہ سالنامہ معارف رضا کراچی، ۱۹۸۱ء۔ ☆ امام احمد رضا کے حواشی کا تحقیقی جائزہ، مشمولہ سالنامہ معارف رضا کراچی، ۱۹۸۶ء۔☆ امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، مشمولہ سالنامہ معارف رضا کراچی، ۱۹۸۳ء۔☆ شرح قصیدہ رضا براصطلاح نجوم وفلکیات، مشمولہ سالنامہ معارف رضا، کراچی، ۱۹۸۷ء۔☆ شرح قصیدہ رضا براصطلاح نجوم وفلکیات، مشمولہ سالنامہ معارف رضا، کراچی، ۱۹۸۸ء۔ ☆ محدث بریلوی اور میاں نذیر حسین دہلوی، مشمولہ سالنامہ معارف رضا، کراچی، ۱۹۹۱ء۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے چند نگارشات پر آپ نے گراں قدر مقدمے بھی لکھے ہیں۔ چند ایک کی تفصیل یوں ہے: ☆ مقدمہ وترتیب ''ذوق نعت'' از مولانا حسن رضا بریلوی، مطبوعہ کراچی۔ ☆ تقدیم تذکرہ جمیل (سوانح حجۃ الاسلام) از مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی مطبوعہ دہلی۔ ☆ تعاون: ''بخشش رب'' از سید محفوظ علی صابر القادری مطبوعہ راولپنڈی۔ ☆ مقدمہ باران رحمت (تضمین اول) از عبدالقیوم سلطانپوری۔ غیر مطبوعہ۔ ☆ تعارف منظوم، ''حدائق بخشش خزینہ اسرار نعت'' از سید صابر حسین شاہ بخاری، زیر طبع۔

کرم فرما علامہ محمد منشا تابش قصوری کے ان الفاظ پر مقالے کا اختتام کرتا ہوں:

''کہتے ہیں شمس کبھی غروب نہیں ہوتا، البتہ تھوڑی دیر کے لیے اوٹ میں چھپ کر دوسرے مقام کو اپنے انوار و تجلیات سے منور کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو پھر شمس بریلوی کی بھی یہی کیفیت ہے، کہنے والوں نے کہا ''افلت الشمس غربت الشمس''، شمس چھپ گیا، شمس غروب ہو گیا لیکن صاحبان بصیرت آج بھی دیکھ رہے ہیں، شمس بریلوی نصف النہار پر اپنی پوری تابانیوں سے چمک رہا ہے۔ اس کی چمک محامد میں، نعت و مناقب میں، نظم میں، نثر میں، تاریخ میں، سیرت میں، حدیث میں، فقہ میں، تحقیق میں، شروح میں، یہی نہیں بلکہ عقیدت میں، محبت میں، عشق میں، وہ تو ہر جگہ نور بار ہے، ہر سمت ہر مقام، ہر صحیح العقیدہ سنی کے سینے میں طلوع ہے، امام احمد رضا کا شمس، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا شمس، غوثِ اعظم جیلانی کا شمس ہمیشہ ہمیشہ چمکتا رہے گا۔''

(ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور، مئی ۱۹۹۷ء ص ۶۱)

قطبِ مدینہ سیدی ضیاء الدین مدنی اور فضیلۃ الشیخ مولانا فضل الرحمٰن القادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ

چند یادیں

ملک شیر زمان قادری ضیائی (کویت)

چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر ایک سے ایک نئے، مختلف اور مضحکہ خیز مظالم ڈھائے گئے ۔ سب سے بڑا حربہ جو استعمال کیا گیا وہ تھا مسلمانوں کے قلوب کو عظمت و محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خالی کرنا جس کی طرف حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے کہ:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدی ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

اور اس کی تائید میں کوئی مفروضہ یا ہمارے گھر کا حوالہ نہیں ہے بلکہ لارنس آف عربیہ ہمفرے ملعون کے اعترافات ہیں جو کہ انگلش، عربی اور اردو میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ عالمِ عرب میں دیگر علمائے حق کے علاوہ حضرت علامہ امام یوسف نبھانی علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو اس مشن کے لیے وقف کیا اور منزلِ محبت کے قافلے کے امام ٹھہرے اور برصغیر میں پروانۂ شمعِ رسالت مآب ﷺ اور فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت، مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جو شمع فروزاں کی تھی اور منکرین کی مخالفت کے باوجود محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو درس دیا تھا اور نغمات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیہ الصلوۃ والسلام کے جو گیت گائے تھے اور حضرت حسان ورومی وسعدی وجامی وبوصیری کے جس مشن فروغ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپ نے تجدید کی تھی۔ اس مشن کو آپ کے خلفا اپنا مقصدِ حیات بنا کر دیے سے دیے کو جلاتے ہوئے برصغیر کے علاوہ دنیا میں جہاں جہاں بھی گئے اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔

آپ کے ممتاز خلیفہ وقطبِ مدینہ حضرت مولانا الحاج الشاہ ضیاء الدین احمد القادری مدنی علیہ الرحمۃ تو اس شمع کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی اپنا مسکن بنالیا اور جدائی تک گوارہ نہیں کی اور آخری لمحات تک زبانِ مبارک سے یہی ورد کرتے رہے کہ ع

مر مر کے یہاں پہنچا رو رو کے اسے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جاناں

آپ کی مناجات کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا اور ہمیشہ کے لیے آپ کو دائمی حضوری ایسی نصیب ہوئی کہ پھر اسی در کے ہو کر رہ گئے۔ اپنے آپ کو نثار بھی کیا لیکن نثار کرکے پھر بھی یہی کہا کہ:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سبحان اللہ ۔ آخری منزلِ مقصود پانے کے بعد یعنی بقیع شریف میں غریقِ رحمت ہونے کے بعد جانشینی اپنے لختِ جگر کو دی اور پھر لختِ جگر نے اپنے عظیم والد اور سلف کا بارِ گراں اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اسے احسن طریقے سے نبھایا۔ درمیان میں کئی کٹھن مراحل بھی آئے اور اتنے کٹھن کہ محض مسلک کی بنیاد پر آپ کو جیل جانا پڑا لیکن بفضل تعالیٰ پائے استقامت میں تنزل تو درکنار معمولی فرق بھی نہیں آیا بلکہ قلندر لاہوری کے بقول:

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

کے مصداق آپ کی روحانیت و شہرت میں مزید چار چاند لگ گئے اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی ان گنت عزت کا اضافہ ہوا۔ جانشین قطب مدینہ مرید وخلیفہ حضور مفتی اعظم ہند اور خلیفہ خانوادہ اشرفیہ پیر طریقت رہبر شریف فضیلۃ الشیخ بقیۃ السلف محسن اہلِ سنّت مخدوم ماحضرت مولانا علامہ الحاج الشاہ الحافظ ابو حبیب فضل الرحمٰن القادری مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آخری سالوں میں جب بھی ملاقات ہوتی یا ٹیلیفون پر شرف گفتگو حاصل کرتا تو فرماتے کہ اب کوئی اور حسرت باقی نہیں رہی، فانی دنیا میں سب کچھ دیکھ لیا۔ ابھی بقیع شریف کی ہی بس آرزو ہے۔ ناچیز روتے ہوئے، آہوں اور سسکیوں کے ساتھ عرض کرتا "طول عمرک یاسیدی! ابھی تو ڈاکٹر رضوان، ڈاکٹر خلیل اور ہم سب کو آپ کی بڑی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ ہم سب کی دنیا آپ کے بغیر اندھیر ہو جائے گی" تو حضرت صاحب میرا اخلوص دیکھ کر دعاؤں سے نوازنا شروع فرمادیتے اور اتنا نوازتے جاتے کہ اپنے آپ پر رشک آنے لگتا اور اپنا دامن تنگ نظر آنے لگتا۔ سیدی علیہ الرحمۃ کی جتنی قربتیں، محافل شب وروز کی رفاقتیں اور جتنا سفری ساتھ مجھے نصیب ہوا، بہت کم ساتھیوں کے حصے میں اتنی سعادت آئی۔ دراصل لطف تب ہی آتا ہے کہ شیخ کامل، سخی اور مہربان ہو اور مرید مخلص اور طالب صدق ہو پھر سونے پہ سہاگہ ورنہ طرفین میں سے کسی ایک طرف بھی کچھ کمی ہو تو بات ادھوری رہ جاتی ہے۔

آپ کے ہاں منعقد ایک محفل بابرکت میں شیخ القرآن ابو البیان مولانا غلام علی اوکاڑوی نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت قطب مدینہ علیہ الرحمۃ سے عرض کی کہ سیدی آپ نے صاحبزادے کا نام فضل الرحمٰن کس مناسبت سے رکھا کیونکہ ہم سنی خصوصاً بچوں کے نام رکھنے میں نسبتوں کو بہت ترجیح دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ بات درست ہے اور میں نے بھی نسبتوں ہی کا لحاظ رکھا ہے۔ جس وقت میں پیلی بھیت میں محدث سورتی کے پاس پڑھتا تھا تو ان کی رفاقت میں ہر جمعہ کو اعلیٰ حضرت کے ہاں بریلی شریف حاضری ہوتی تھی تو اعلیٰ حضرت اور مولانا وصی احمد صاحب دونوں ہی قطب الوقت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی علیہ الرحمۃ کا ذکر بڑے اچھے الفاظ سے کرتے تھے تو میں نے اسی وقت نیت کرلی تھی کے شادی کے بعد اللہ پاک نے جب بھی بیٹا عطا کیا تو نام فضل الرحمٰن ہی رکھوں گا۔ لہٰذا جب صاحبزادہ پیدا ہوا تو میری آرزو بر آئی اور میں نے اشتیاق کے ساتھ اسمِ مسمّٰی فضل الرحمٰن رکھا۔ (الحمد للہ) آپ کی ولادت ۱۳۴۲ ہجری بمطابق ۱۹۲۵ء کو بلدِ طیبہ مدینہ المنورہ میں ہوئی۔

آپ نے ایک مرتبہ خود احقر سے فرمایا کہ مجھے میرے والدین نے بتایا کہ جب بھی اہلِ مدینہ کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو طریقہ یہ تھا کہ چالیس دن کے بعد اس کی والدہ اس بچے کو حرم نبوی شریف میں زیارت کے لیے لے جاتی اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنھم کے چبوترے پر بیٹھنے والے خواجہ سرا نومولود کو حجرۂ مبارک کا دروازہ کھول کر اندر بار گاہِ بیکس پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پیش کرتے اور کہتے یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداک ابی وامی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینے میں ایک نومولود کا اضافہ ہوا ہے پھر زیارت کرا کے واپس اس خوش قسمت مدنی بچے کو اس کی ماں کے حوالے کر دیتے۔ فرمایا کہ میں بھی اس وقت ان خوش نصیبوں میں شامل تھا لیکن اب جہاں نجدیوں، ظالموں کے اور مظالم بڑھتے ہوئے ہیں اور ہر روز نئی نئی بندشوں اور پابندیوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس بابرکت رسم پر بھی آہنی پابندی مسلط کر دی گئی ہے۔ پھر بچپن اور لڑکپن میں آپ نے اپنے عظیم والد ماجد جو کہ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے عالم، فاضل، باعمل اور صوفی باصفا تھے کی زیر نگرانی اور زیر سایہ مدینہ منورہ ہی میں قرآن پاک حفظ کیا اور مختلف اساتذۂ کرام سے مختلف کتابیں پڑھیں اور دینی علوم حاصل کیے۔ چونکہ عموماً درسگاہوں کے ماحول اور اساتذہ کے نظریات کا طبعاً تلامذہ پر اثر ہوتا ہے لہٰذا اسی لیے والد صاحب

قبلہ کی منشا کے مطابق کسی بڑے مدرسے میں داخلہ نہیں لیا کیونکہ اس وقت سب چھوٹے بڑے مدرسوں پر نجدیوں کا کنٹرول تھا لیکن باوجود اس کے آپ کو الحمدللہ علوم دینیہ اور فقہ پر عبور حاصل تھا۔ جب کبھی کسی دینی مسئلے یا معاملہ کی بات ہوتی تو خوب رہنمائی فرماتے۔ مدینہ شریف کے ایک صحیح العقیدہ گھرانے میں آپ کی شادی ہوئی، ابھی چند سال پہلے ہی آپ کی اہلیہ مرحومہ آپ کو داغ مفارقت دے گئی تھیں لیکن جب کبھی درویشوں کے گھرانے میں گزارہ کرنے والی اس پاکباز خاتون کا آپ ذکر کرتے تو اس کے صبر واستقامت اور گھریلو معاملات کو داد دیتے۔

حضرت مخدومی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے قبلہ سیدی والد صاحب علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ حضور اتنے لوگ آپ سے شرفِ بیعت حاصل کر رہے ہیں۔ مجھے بھی مہربانی فرما کر آپ سلسلے میں داخل فرمالیں، تو والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ میں تو اپنے اعلیٰ حضرت سرکار کے طریقے پر چلنے والا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے صاحبزدگان کو اپنے پیر خانے سے بیعت کرایا تھا لہٰذا میں بھی تمہیں بریلی شریف والوں سے بیعت کرواؤں گا اور پھر مجھے بریلی شریف روانہ فرمادیا جہاں پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہلِ سنّت حضور مفتیِ اعظم عالمِ اسلام مولانا الحاج الشاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب نوری علیہ الرحمۃ والرضوان سے جاکر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ آپ اپنے مرشدِ گرامی کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے اور جب اختتام محفل سلام شریف پڑھا جاتا اور جب سلام میں حضور مفتی اعظم کے متعلق شعر پڑھا جاتا ''سیدی مرشدی مصطفیٰ خاں رضا'' تو آپ اپنے سر کو ایک دم نیچے جھکا لیا کرتے۔ فرماتے تھے کہ میں تو بریلی شریف طالب بن کر گیا تھا لیکن بریلی والوں نے مدینہ منورہ کا مہمان سمجھ کر خوب نوازا اور توقعات سے بڑھ کر نوازا۔ تربیت تو ماشاء اللہ پہلے ہی حضرت قطب مدینہ کی طرف سے مکمل تھی صرف نسبت کی ضرورت تھی اور وہ روشن ضمیر مرشد نے جاتے ہی عطا فرمادی اور مختصر عرصۂ قیام کے بعد بریلی شریف کی یادیں لے کر آپ واپس آگئے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ حضور مفتی اعظم قبلہ نے مجھے تین مرتبہ خلافت شریف سے نوازا۔ پہلی مرتبہ بریلی شریف میں دوسری مرتبہ مسجد الحرام میں میزاب رحمت کے نیچے میرا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ یااللہ اسے قبول فرمانا! اللہ کیا سماں ہوگا جب ایک ولی کامل نے ایک ابن ولی کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا ہوگا جو کہ خود بھی آئندہ اپنے وقت میں صاحب حکومت ہونے والا تھا اور پھر تیسری مرتبہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خلافت کا اعادہ فرمایا اور پھر آپ کو اپنے والد بزرگوار نے بھی ان نصیحتوں اور امانتوں سے سرشار فرمایا جو کہ سینہ درسینہ مختلف سلسلوں سے منتقل ہوتے ہوئے آپ کو ملی تھیں۔ الحاصل طریقت کے تقریباً سب سلسلوں کا آپ سنگم تھے۔

آپ اپنے والد محترم کی حیات ہی میں ان کے حکم سے طالبین کو بیعت کرتے تھے۔ آخری سالوں میں جب کبھی کوئی آدمی بیعت کے ارادے سے حضرت سیدی قطب مدینہ سے عرض کرتا تو آپ فرماتے، جایئے وہ مکتبے میں میرا بیٹا فضل الرحمٰن موجود ہے ان سے بیعت کرلیں۔ آنے والا اگر زیادہ اصرار کرتا کہ حضور میں تو آپ سے ہی شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں تو آپ فرماتے کہ میرا بیٹا میرا جانشیں ہے۔ اس کی بیعت میری ہی بیعت ہے تو وارد کی تسلی ہو جاتی۔ الغرض اس شہباز نے اپنے والد بزرگوار کی حیات میں ہی ان کے زیرِ سایہ پرواز شروع کردی تھی۔ پھر اپنے مشفق ومہربان والد کے انتقال کا بڑا صدمہ آپ کو سہنا پڑا۔ یوں تو حضرت قطب مدینہ کی رحلت سے تمام دنیائے سنّیت اور خصوصاً رضوی ضیائی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی لیکن فطرتاً آپ کی طبیعت پر اس کا بڑا بوجھ پڑا۔ بالخصوص وہاں کے نجدی ماحول میں جہاں پر ہر طرف سے حاسدین اور مخالفین اس رضوی بیت روحانیت کی شمع گل کرنے کے درپے تھے لیکن بفضل تعالیٰ اور تاجدارِ رسالت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی نگاہِ عنایت سے آپ صبر واستقامت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ روحانیت کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ذہانت اور حاضر جوابی کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا اور مشکل سے مشکل معاملات بھی فوراً حل فرمادیتے تھے۔ خصوصاً جب کبھی کسی دو فریقوں میں صلح کرانے کا موقع ہوتا تو اکثر احباب آپ سے ہی رجوع فرماتے اور آپ کی شخصیت کا رعب اور اثر تھا کہ ہر فریق کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور آپ کا فیصلہ ہی سب کے لیے باعث قرار وسکون ٹھہرتا۔ آپ کا مشہور قول ابھی بھی یاد آتا ہے کہ ''توڑنے والے تو بہت ہوتے ہیں لیکن جوڑنے والے کم ہیں۔''

میری آپ سے ملاقات و تعلقات کی ابتدا حضرت قبلہ سیدی قطب مدینہ علیہ الرحمۃ کی حیات مبارکہ ہی میں شروع ہوگئی تھی بلکہ میں اس وقت تبوک میں قیام پذیر تھا جو کہ مدینہ شریف سے تقریباً سات سو کلو میٹر دور اردن اور شام کی جانب واقع ہے۔ اپنی کار پاس ہوتی تھی مہینے میں ایک دفعہ حاضری ہوجاتی تھی چونکہ لمبا سفر تھا اور بعض اوقات جمعرات کی ڈیوٹی ختم کرکے کیمپ میں آکر تیار ہوکر روانگی ہوتی تھی لہٰذا جب مدینہ منورہ پہنچتے تو رات گئے حرم نبی شریف بند ہوچکا ہوتا تھا اور حضرت کے ہاں محفل اختتام پزیر ہوچکی ہوتی تھی۔ کبھی کبھار بڑے پروگرام میں طوالت کے باعث آخری وقت شرکت کی سعادت حاصل ہوجاتی۔ بہر حال آنے سے پہلے فون کردیا کرتا تھا اور جونہی حاضر ہوتا تو فرماتے کہ شیر زمان آگئے ہو۔ آؤ تمہارے لیے لنگر رکھا ہوا ہے، لنگر شریف کی سعادت حاصل کرتا اور پھر قہوہ خانہ پر جانے کا پروگرام بنتا۔ کئی مرتبہ مجھے آپ کے آستانۂ عالیہ پر پرانے بابِ مجیدی والے مکان میں رات کو رہنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

حضرت سیدی ابوالفضل کے انتقال کے بعد جب حج سے فارغ ہونے کے بعد حاضر ہوا تو دن کا وقت تھا اور آپ دیوانیہ میں تشریف رکھتے تھے جبکہ ملاقات تو آپ شام کو ہی فرماتے تھے۔ صرف خاص خاص چند احباب جن کو آپ کے ہاں آنے کی اجازت تھی ان کو شرف ملاقات بخشتے تھے، جونہی حاضر ہوا اور حضرت سیدی قطب مدینہ کی مسند پر آپ کو تشریف فرما دیکھا تو میں نے زار وقطار رونا شروع کردیا، آنسوؤں سے میری ہچکی بندھ گئی۔ میں آپ کے ساتھ لپٹا ہوا تھا اور آپ کا بھی یہی حال تھا۔ روتے جاتے تھے اور آنسو پونچھتے ہوئے تسلی بھی دے رہے تھے کہ ''شیر زمان سیدی چلے گئے۔ ہمارا سہارا اٹھ گیا۔ ہمیں یتیم کرگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ صبر کرو۔'' تھوڑی دیر بعد ہوش سنبھلنے پر تمام واقعات بتائے اور پھر اپنے دست مبارک سے چائے عنایت فرمائی۔ مشائخ مدینہ و دیگر علما، مشائخ اہلِ سنّت وحجاج وزائرین کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور سیدی کے چہلم کا پروگرام ہوا۔ ان پروگراموں میں مجھے بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ تقریباً دو ماہ کے بعد میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضور آپ اگر تبوک تشریف لائیں تو ہم حضرت قبلہ سیدی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک پروگرام منعقد کریں تو آپ نے یقین دہانی کرادی کہ تم آجانا ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔ میں گاڑی سمیت حاضر ہوگیا کیونکہ اس وقت رات کو تبوک کی کوئی فلائٹ نہیں تھی۔ چند پیر بھائیوں سے تبادلۂ خیال ہوا تو کہنے لگے کہ ابھی تازہ تازہ بڑے حضرت صاحب کا انتقال ہوا ہے اور ان کے بعد ابھی روزانہ پروگرام میں حضرت صاحب لازمی تشریف رکھتے ہیں اور پھر فلائٹ بھی نہیں ہے۔ لمبا سفر ہے سردی کا موسم ہے لہٰذا تم حضرت کو زیادہ مجبور مت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو ابھی اسی نیت سے ہی آیا ہوں آپ ہی کے حکم سے۔ امید ہے حضرت مایوس نہیں فرمائیں گے۔ دراصل حضرت صاحب آدمی کے خلوص کو دیکھتے تھے کہ آدمی کتنا مخلص ہے اور پھر اسی لحاظ سے شفقت فرماتے تھے۔ آپ کے ساتھ حاجی حنیف اللہ والا اور عبدالقیوم بھی آئے۔ تبوک میں جہاں پر اپنی تاریخی آمد پر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمعہ صحابہ کرام کے قیام فرمایا تھا وہاں پر ترکوں نے ایک عظیم الشان مسجد بنائی ہے جو کہ

تبوک شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے اور مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ اس کی بھی آپ نے زیارت کی اور ساتھ ہی تبوک میں مدفون صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کی غزوۂ تبوک کے دوران شہادت ہوئی تھی کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ کمپنی کی کیمپ مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد پروگرام ہوا جو عصر تک جاری رہا۔ پروگرام ماشاءاللہ ہر لحاظ سے شاندار، پر کیف اور کامیاب رہا اور پھر اپنی یادیں اور خصوصاً اپنی رقت انگیز دعاؤں کا اثر چھوڑ کر شام کو بذریعہ جہاز براستہ جدہ واپس تشریف لے گئے۔

جن دنوں میں ریاض میں کام کرتا تھا ان ایام میں آپ کسی کام کی غرض سے ریاض تشریف لائے اور پھر ہمارے ہاں بھی کیمپ میں قدم رنجہ فرمایا۔ الغرض شروع ہی سے ناچیز پر شفقت ومہربانی فرماتے تھے اور یہ سلسلہ آخری وقت تک صرف قائم و دائم ہی نہیں رہا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوا۔ وصال سے ایک ہفتہ قبل فون پر شرف گفتگو حاصل کیا تو فرمانے لگے کہ ”شیر زمان، میرے لائق کوئی خدمت ہے تو بولو“ اور الفاظ پر زور دیکر فرمایا کہ ”ایسا مت سمجھو کہ میں یہاں ایسے ہی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بیٹھا ہوا ہوں۔“ اپنے متعلق یہ الفاظ سن کر واللہ میں تو وجد میں آگیا کہ کہاں میں نکما، ناچیز، ناکارہ جسے صحیح طور پر اپنے شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آیا اور کہاں وہ مہربان و شفیق شیخ۔ جب کبھی کچھ زیادہ فرماتے تو ناچیز عرض کرتا کہ حضور کیا میرے لیے یہ کم سعادت ہے کہ میں بیٹھا تو کویت میں ہوں لیکن وہاں مدینہ المنورہ میں آپ کی پر خلوص غائبانہ دعاؤں میں شامل ہوں۔

اللہ پاک نے آپ کو بہت سارے اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا۔ اپنے عظیم والد محترم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ خوش اخلاق ملنسار اور مسافرین کی امداد کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ کم از کم میں نے تو اتنے عرصے میں نہیں دیکھا کہ کوئی آدمی خواہ وہ آپ کا جاننے والا ہو یا نہ حتیٰ کہ مخالفین میں سے بھی اگر کوئی کبھی آپ کے پاس کسی کام کی غرض سے آجاتا تو اس کے ساتھ آپ چل دیتے۔ کبھی جوازات جارہے ہیں، کبھی محکمہ جارہے ہیں اور کبھی کسی دوسرے ادارے میں اور رحمٰن کے فضل سے آپ جب بھی کسی کے ساتھ کسی کام کی غرض سے تشریف لے جاتے تو خالی ہاتھ واپس نہیں آتے تھے۔ اوّل تو اسی وقت کام ہو جاتا ورنہ ایک دو دن میں پایۂ تکمیل تک جا پہنچتا اور کسی کا کوئی کام خواہ دینی ہو یا دنیاوی کر کے جتنی مسرت آپ کو ہوتی تھی اس کا اندازہ آپ کے چہرے سے لگایا جاسکتا تھا۔

ذہانت، فراست اور بصیرت کے ساتھ ساتھ اللہ پاک نے آپ کو عربی تحریر میں بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا جس کے لیے آپ نے جن کتابوں پر تقاریظ لکھی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ بالخصوص اگر کسی سرکاری کام کے سلسلے میں کوئی عریضہ وغیرہ کی تحریر آپ ضبط میں لاتے تو وہ متعلقہ حکام کو ضرور متاثر کرتی۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک سعودی باشندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا گورنر مدینہ سے کوئی کام تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں میرے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کو تحریر کر کے دے دیتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کا کام بن جائے گا اور بفضل تعالیٰ آپ کی چند سطریں تحریر کرنے سے اگلے دن آدمی کا کام بن گیا۔

آپ کی زندگی کا ایک اہم اور خاص وصف سخاوت ہے۔ اللہ اکبر میں اپنے پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور اس میں میری عقیدت یا مبالغے کو بھی دخل نہیں ہے کہ کم از کم میں نے آج تک اپنی زندگی میں آپ جیسا سخی نہیں دیکھا۔ سفر ہو کہ گھر یا کسی مطعم پر یا کسی بھی جگہ جہاں پر پیسہ خرچ کرنے کی بات ہوتی تو آپ کسی کو بھی سبقت نہیں لینے دیتے تھے اور اگر کوئی عقیدت کی وجہ سے پہل کرتا تو آپ اسے پیسے واپس کرا کر خود ادائیگی فرماتے۔

آپ سے ملنے والوں کے پاس اس کے متعدد شواہد ہیں کہ آپ کا دستر خوان ماشاء اللہ ہمیشہ ہی وسیع سے وسیع تر اور وسیع ترین رہا۔ یہاں پر سلف صالحین میں سے مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ اور

حضرت مولانا خواجہ حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ جو کہ دونوں ہم عصر چشتی بزرگ تھے نے آپس میں عہد کیا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو پہلے فوت ہو گا وہ بعد والے کو بتائے گا کہ اس پر کیا بیتی اور طریقہ یہ ہو گا کہ اس کی مرقد پر حاضر ہو کر مراقبہ کیا جائے گا۔ حضرت بابا صاحب رضی اللہ عنہ کا انتقال پہلے ہوا تو حضرت خواجہ ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے پاک پتن تشریف لا کر مراقبہ کیا تو قبلہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انکشاف فرمایا کہ کھانا کھلانے کو میں نے بہترین عمل پایا۔ سبحان اللہ اور اس کی تائید وفضیلت حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے یا کسی بزرگ کا قول کہ "کنجوس عابد سے سخی گنہ گار اچھا ہے"۔ اور ہمارے حضرت صاحب اس پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کھا کر خوش ہوتے ہیں لیکن برعکس اس کے ہمارے شیخ کھلا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ میلاد شریف اور اعراس مبارک جیسے بڑے پروگراموں کے لیے خود مویشی منڈی تشریف لے جانا اور صحیح و زیادہ تندرست گوشت والے دنبے خریدنا اور سبزی منڈی میں سے اچھی قسم کا پھل لانا اور کھانا پکانے والے باورچی کے سارے لوازمات پورے کرنا اور اس کو تاکید کرنا کہ کسی چیز کی بچت نہ کرے مبادا کہ لذت میں کوئی کمی رہ جائے۔

مجھے چند سال مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حرم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شریف کی جدید توسیع میں بطور کرین آپریٹر خدمت کا موقع ملا۔ جب ڈیوٹی ختم ہوتی تو اپنی کار لے کر حضرت کے آستانے پر حاضر ہو جاتا اور پھر رات گئے واپسی ہوتی۔ اس دوران آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ واللہ میں نے آپ کو ہر معاملے میں راست گو پایا۔ اس عرصے میں مختلف مہمانوں سے شرف ملاقات حاصل ہوتا اور مدینہ طیبہ میں ہونے والی ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہل مدینہ کی محافل میں بھی آپ کی رفاقت میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہر جگہ لوگ آپ کے ساتھ عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے اور آپ بھی انتہائی خلوص کے ساتھ ملتے۔ چند مرتبہ آپ کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کبھی آپ کے اہلِ خانہ میں سے کچھ ساتھ ہوتے اور کبھی حضرت صاحب اور صرف یہ خادم۔ اللہ اللہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ اب تو بس یادیں ہی باقی رہ گئی ہیں، جن کے سہارے زندگی بیت رہی ہے۔ مشہور مذہبی سکالر، ادیب اور صحافی جناب صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم فرماتے تھے کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہاری زندگی کتنی ہے تو میں کہوں گا کہ دس دن۔ وضاحت پر فرماتے کہ حرمین شریفین میں گزرے ہوئے دس دن ہی دراصل حاصلِ حیات ہیں۔ بقیہ تو اسی آرزو میں اور جستجو میں گزرے ہیں اور اللہ اللہ جس مرد درویش نے ساری زندگی قناعت وصبر، طریقت وشریعت اور عشق وادب کے ساتھ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گزاری اور ہمیشہ مہمانانِ مدینہ الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میزبانی پر کمربستہ رہے تو اس کی حیات تو یقیناً قابل رشک ہے۔ آپ اپنے احباب کے ساتھ تو اس قدر پیار ومحبت کے ساتھ پیش آتے جیسے کہ اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ آدمی شفقتیں اور نوازشیں کرتا ہے اور اگر کوئی ساتھی کسی دن کسی چیز کی فرمائش کرتا تو فوراً کرم فرماتے اور حاجت پوری فرمادیتے۔ ایک دن ساتھیوں نے عرض کیا کہ سیدی آج مچھلی کھانے کو جی چاہ رہا ہے۔ تو فرمایا کہ یہاں گھر پر کھائیں گے یا مطعم چلیں۔ ہم نے عرض کیا حضور یہیں گھر پر ہی مناسب رہے گا تو جیب سے کورے کورے نوٹ نکال کر فرمایا "شیر زمان جاؤ مچھلی لے آؤ اور ساتھ اس کے لوازمات بھی۔"

آپ علما سے عالمانہ شان کے ساتھ ملتے اور مشائخ وفقرا کے ساتھ ان کے بلحاظ مرتبہ پیش آتے لیکن عاجزی اور انکساری آپ کا ہر مقام پر طرۂ امتیاز رہی۔ آپ کی سخاوت کے معاملے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ عرض کرتا ہوں کہ عرب شریف سے آنے کے بعد کچھ عرصے میں گھر پر فارغ رہا تو اس دوران آپ نے اپنے اس خادمِ خاص پر کرم نوازی کی انتہا کر دی۔ مجھے آپ کی طرف سے دس دس ہزار روپے چار مرتبہ عنایت کیے گئے۔ میں نے عرض کیا حضور میں زمیندار آدمی ہوں۔ الحمد للہ گزارہ چل رہا ہے، مجھے

صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ تو فرمایا کہ "شیر زمان آدمی کو بار بار آزمایا نہیں جاتا۔ ایک ہی دفعہ آزمائش کافی ہوتی ہے۔ ہماری دعائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور دوائیں بھی۔" الغرض آپ فیاضی کے انتہائی درجے پر فائز تھے اور یہ بھی نہیں کہ آپ کوئی زیادہ مالدار یابڑی بزنس والی شخصیت تھے۔ نہیں نہیں۔ ہاں البتہ دل کے بڑے ہی غنی تھے اور یہ دولت جسے نصیب ہو جائے اسے کبھی زوال نہیں آتا بلکہ عروج ہی عروج ہے اور ترقی ہی ترقی۔

آپ نے زندگی کے بڑے نشیب وفراز دیکھے اور کٹھن مراحل بھی لیکن آپ کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی۔ سیدی حضرت ضیاء الدین علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد جب آپ پر آزمائش کی گھڑی آئی اور پاکستانی نجدیوں [یعنی دیوبندیوں، وہابیوں] کی شرارت سے غلط قسم کی مخبری اور بے سروپا الزامات لگا کر آپ کو گرفتار کرایا گیا۔ قریباً چار ماہ تک آپ کو جیل میں رکھا گیا۔ اس دوران مختلف ذہنی اذیتیں دے کر آپ سے تحقیق کی گئی کہ آپ سعودی حکومت کے باغی ہیں اور شرک وبدعت کے عقیدے میں مبتلا ہیں۔ (معاذاللہ) اور کہا کہ آپ کے ہاں میلاد شریف کی محافل منعقد ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ نے نہایت ہی بے باکی اور جرأت کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے نظریات کی وضاحت فرمائی۔ جب کسی طرف سے بھی کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا تو آخر میں یہ کہا گیا کہ اچھا آپ تحریر ہی لکھ دیں کہ آئندہ میلاد شریف نہیں کرائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا سر حاضر ہے، آپ لوگ لے سکتے ہیں لیکن ایسی تحریر لکھنے سے میرا قلم قاصر ہے اور پھر اسی دوران رسوائے زمانہ کتاب "البریلویۃ" کے دروغ گو مصنف احسان الٰہی ظہیر کے ایما پر دیگر کئی پاکستانی فسادیوں کی شکایت پر کئی بے گناہ بے چارے پاکستانی ☆ مدینہ شریف سے صرف اور صرف اس لیے ظالموں نے نکال دیے کہ ان کے عقیدے میں ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محافل جائز ومسنون ہیں (جو کہ سالہا سال سے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مقیم تھے اور اپنا کاروبار کرتے تھے۔) جیل سے باعزت رہائی کے بعد جب میری حضرت سے ملاقات ہوئی تو اس وقت میرا عجیب حال تھا اور حضرت صاحب تسلی دے رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ الحمد للہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی سنّت بھی مجھ فقیر سے ادا ہو گئی۔ پاک وہند میں علما، مشائخ اہلِ سنّت کو آپ متحد ومتفق ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے جس کا مظہر آپ کا 1970ء کا ٹوبہ کی تاریخی سنی کانفرنس کا خصوصی خطاب تھا۔ مدارس اہلِ سنّت میں عربی زبان کی اہمیت وافادیت پر آپ زیادہ زور دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبا کو ہر قسم کی عربی میں تحریر وتقریر پر ملکہ حاصل ہونا چاہیے لیکن یہ معیار سب مدرسوں میں نہیں ہے۔ ہاں البتہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا معیار دیگر مدارس کی بہ نسبت اچھا ہے۔

اجمیر شریف اور بغداد شریف کا سفر بھی آپ نے کیا اور وہاں کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ ایک دفعہ افریقہ کے احباب کی فرمائش پر آپ وہاں بھی تشریف لے گئے اور پاکستان میں متعدد بار تشریف لائے۔

ویسے تو اپنے ہاں آنے والے ہر خاص وعام کی آپ خاطر مدارت کرتے تھے لیکن خصوصاً اپنے والد بزرگوار کے حلقۂ احباب کا زیادہ خیال فرماتے۔ مثلاً غزالی زماں حضرت علامہ کاظمی شاہ علیہ الرحمۃ محدث ملتانی جب تشریف لائے تو آپ ان کے استقبال کے لیے مدینۂ منورہ ایئر پورٹ پر خود موجود تھے۔ اسی طرح خانوادۂ رضویہ بریلی شریف کے مشائخ جب تشریف لاتے تو آپ ان کا بے حد احترام فرماتے۔ مولانا الحاج قاری مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کراچی اور خصوصاً زائر مدینہ حضرت الحاج مرزا شکور بیگ مرزا صاحب حیدر آبادی چونکہ والد کا دوست چچا ہوتا ہے اور حضرت مرزا صاحب تو ماشاء اللہ قبلہ سیدی ضیاء الدین کے خاص احباب میں سے تھے لہٰذا حضرت ان کی دست بوسی کرتے تھے اور وہ حضرت کی۔ مرزا صاحب جہاں بھی ٹھہرتے حضرت ہمیں ارشاد فرماتے کہ ہر لحاظ سے ان کا خاص خیال رکھا جائے اور ایسے بزرگوں کی خدمت کر کے خود ہمیں بھی

فرحت ہوتی تھی۔ مجھے حضرت مرزا صاحب کے وہ الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ ایک دفعہ جب انجینئر ظفر صاحب کے چھوٹے بھائی محمود دان کے پاس حاضر تھے۔ ایسے وقت میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ محمود بھائی آج کل تھوڑا پریشان ہیں ان کے لیے دعا فرمائیں تو ان کے لیے دعا فرمائی۔ جواباً محمود نے عرض کیا کہ حضور بھائی شیر زمان کے لیے بھی دعا فرمائیں تو (سبحان اللہ) فرمایا ان کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں ہے یہ خدمت ہی اتنی کرتے ہیں کہ خود بخود ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اللہ اللہ کیسے بزرگ تھے اور کیسی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

اکثر لوگ تو آپ کے ہاں حاضری کو سعادت سمجھتے تھے لیکن بعض خوش قسمت حضرات ایسے بھی دیکھے کہ جب وہ مدینہ شریف تشریف لاتے تو کبھی کبھار حضرت ان کی قیام گاہ پر بھی تشریف لے جاتے۔ مثلاً تونسہ شریف کے سجادہ نشین اور انڈیا کے علامہ ارشد القادری کے بھائی جناب الحاج غلام آسی صاحب جو کہ واقعی درویش ہیں۔

بعض لوگوں کو اگر کوئی ایک آدھ نعمت عطا ہو جاتی ہے تو وہ پھولے نہیں سماتے اور اس کا برملا اظہار شروع کر دیتے ہیں لیکن مستجاب الدعوات ہونے کے باوجود کبھی غرور یا تکبر آپ کے نزدیک نہیں پھٹکا۔ کوئی خط کے ذریعے آپ سے التجا کر رہا ہے کوئی دنیا کے کسی کونے سے فون کر کے اور کوئی خود حاضر ہو کر اور کوئی کسی دوسرے آدمی کے ذریعے پیغام بھجوا کر لیکن آپ تھے کہ سب کی سنتے تھے اور پیشانی پر بل تک نہیں پڑنے دیتے تھے۔ چونکہ شوگر کے عارضے میں مبتلا تھے لہٰذا جب کبھی شوگر کا زیادہ غلبہ ہوتا تو ہم تو روزانہ مجلس میں بیٹھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ آج شوگر کا اتار چڑھاؤ ہے اور بقضائے بشریت اگر کبھی کسی کو وقتی طور پر غصّے میں کچھ کہہ جاتے تو بعد میں اس سے اتنی مرتبہ معذرت چاہتے کہ وہ آدمی ندامت سے خود شرمندہ ہو جاتا۔ واللہ آپ عالم، فاضل اور شیخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اصول پسند انسان بھی تھے۔

آپ لوگوں کی پردہ پوشی کرنے والے جبکہ ان کے معامالات پر آگاہ ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھی۔ بعض اوقات اگر بغیر دعوت کے کسی کے ہاں جانا ہوتا تو اوّل تو گھر سے ہی خوب سیر ہو کر نکلتے ورنہ راستے میں کسی بھی بقالہ وغیرہ کے سامنے رک کر کچھ تناول فرما لیتے۔ حالانکہ جس کسی کے ہاں بھی جاتے میں دیکھتا تھا کہ احباب آپ کی خدمت گزاری کر کے اپنی خوش قسمتی تصور کرتے کہ آج حضرت ہمارے ہاں تشریف فرما ہوئے۔

لیکن آپ ہمیں اور اپنے نفس کو یہ بتانے اور سمجھانے کے لیے کہ "میں کسی کے ہاں محض کھانے کے لیے نہیں جا رہا" ایسا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ نے ماشاء اللہ اولاد کی بھی خوب تربیت فرمائی۔ میں بعض ایسے بڑے علما کو جانتا ہوں جو دوسروں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں لیکن الا ماشاء اللہ ان کی اپنی اولادیں ان کی دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن دیگر مصروفیات کے باوجود آپ الحمد للہ اپنی اولاد سے کبھی غافل نہیں رہے اور اسی تربیت اور سرپرستی کا اثر ہے کہ آج پروفیسر حضرت الحاج ابو ضیا رضوان صاحب پی ایچ ڈی آپ کے جانشین و خلیفہ ہیں اور مجسمۂ اخلاق ہیں۔ آدمی ان سے مل کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اپنے صاحبزادوں کے علاوہ آپ اپنی صاحبزادیوں اور ان کی اولاد پر تو حد سے زیادہ پیار، محبت اور شفقت فرماتے۔ آپ کے نواسے اور نواسیاں جب آپ کے پاس آتیں تو ان کی آمد کی خوشی میں آپ کا چہرہ ہشاش بشاش ہو جاتا۔ آپ ان کو عینی کہہ کر پکارتے اور ہر لحاظ سے بے حد نوازتے اور طرح طرح کے کھانوں کی چیزوں سے ان کا دل بہلاتے۔ المدینۃ المنورۃ میں آپ کی صاحبزادی جو کہ اہلِ مدینہ کے سادات گھرانے کی بہو ہیں وہ اپنے بچوں سمیت جب ہفتہ میں ایک دن بچوں کے اسکول کی چھٹی کے دن آتیں تو آپ ان کی بچیوں اور بچوں کے ساتھ بے حد پیار فرماتے اور اسی طرح اپنے صاحبزادوں کی اولاد کے ساتھ اور کراچی والی صاحبزادی کے بچوں کے ساتھ بے حد پیار فرماتے۔

حرم نبوی شریف کی حاضری کے علاوہ بقیع شریف اور سید الشہداء سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حضور بھی وقتاً فوقتاً کبھی دن کو اور کبھی رات کو حاضری دیا کرتے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں ایک افطاری سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور ضرور فرماتے۔ اہلِ مدینہ کے ہاں رمضان المبارک میں افطاری کے علاوہ سحری کی دعوتوں کا بھی رواج ہے اور آپ بھی اپنے مدنی رشتے داروں، مشائخ اور احباب کے ہاں سحری کی دعوتوں میں بھی جاتے اور خود بھی اہتمام فرماتے۔ ربیع الاول شریف کے مہینے میں لنگر کی دیگیں پکا کر بمعہ احباب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ کی قبرِ مبارک پر ابوا شریف جاکر میلاد مناتے۔ آہ صد افسوس کہ اب نجدی ظالموں نے وہاں پر عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ صرف حاضری پر پابندی مسلط کر رکھی ہے بلکہ قبر انور کو بھی مسمار کر دیا ہے۔

ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ حضور سیدی قطب مدینہ نور اللہ مرقدہ سے میں نے شرف بیعت تو حاصل کیا ہے جس پر بجا طور پر مجھے فخر ہے لیکن جیسا کہ مریدین کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے۔ آپ کی زیادہ بابرکت محافل سے کماحقہ مستفیض نہیں ہو سکا۔ صرف دو سال کے اندر جتنا قسمت میں تھا نصیب ہوا تو فرمایا کہ قبلہ سیدی والد نے تم کو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ تک تو پہنچا دیا ہے اور کیا چاہیے۔ سبحان اللہ۔ تو وجد کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی کیونکہ سیدی ضیاء الدین کا طریقہ یہ تھا کہ جب مرید فرماتے تو فرماتے کہ ہم نے تمہارا ہاتھ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

حافظ ابن حافظ، عالم ابن عالم، علامہ ابن علامہ، شیخ ابن شیخ، محدث ابن محدث، فقیر ابن فقیر اور ولی ابن ولی کی تو اکثر روایتیں اور شواہد موجود ہیں لیکن حضرت قطب مدینہ کی دعاؤں کا اثر تھا یا قبلہ مفتی اعظم کی خلافت و نیابت کا، قطب الاقطاب بالمدینہ المنورہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی نظر کرم تھی یا صاحب مدینہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان کہ ہمارے حضرت فضیلۃ الشیخ جو کہ نہ صرف چشتی قادری تھے بلکہ اپنے والد محترم کے کم و بیش تیرہ سلسلہائے طریقت کے وارث، جانشین قطب ابن قطب ہوئے اور یہ کوئی انہونی بات بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اس کی عطا پر کون پابندی لگا سکتا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس اسلاف کے متعدد واقعات بھی موجود ہیں۔ کئی ایک خاندانوں میں ولایت میں کئی کئی بزرگ صاحب مرتبہ ہوئے ہیں لیکن میں یہ بات محض عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ انکشاف کے بعد عرض کر رہا ہوں۔ کئی مرتبہ میں نے قطب مدینہ کے بارے میں استخارہ بھی کیا۔ میرے ایک مہربان بزرگ ہیں جن کے ساتھ میرا کافی انس ہے اور ان کی مجھ پر شفقت۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت اس وقت مدینہ طیبہ کے قطب کون ہیں؟ تو مسکرا کر ٹال گئے اور نہیں بتایا۔ پھر جب میں عمرے کے لیے جانے لگا تو دوبارہ عرض کیا لیکن پھر بھی نہیں بتایا۔ اس کے چند ماہ بعد ایک دفعہ پھر میں نے وہی پرانا سوال دہرایا تو فرمانے لگے کہ کچھ باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں لہٰذا میں چپ رہا۔ لیکن کچھ عرصے بعد ایک بار خود ہی فرمانے لگے کہ تم نے ایک دفعہ قطبِ مدینہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ عرض کیا جی ہاں لیکن ابھی تک جواب سے محروم ہوں۔ فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم خوش قسمت ہو کہ اس وقت تمہارے حضرت صاحب ہی قطب مدینہ ہیں۔ میں نے ان کی بات سن لی اور چپ ہو گیا۔ کچھ نہیں بولا لیکن دل نے تسلیم نہیں کیا کہ ہو سکتا ہے یہ محض مجھے تسلی دینے کے لیے ہو کہ جب تمہارا اپنا شیخ اس وقت اتنے بڑے مقام پر فائز ہے تو تم ان سے رجوع کیا کرو۔ خواہ مخواہ ہمیں پریشان مت کیا کرو۔ لیکن جب پاکستان چھٹی پر گیا اور رمضان شریف کا مہینہ بھی آ گیا تو سیدھا ادھر سے ہی عمرے کا پروگرام بنایا۔ پنجاب سے کراچی آیا اور دوسرے ہی روز جدہ کے لیے روانگی تھی کہ رات کو کراچی ہی میں خواب دیکھا کہ ہمارے تلہ گنگ کے علاقے کے ایک مجذوب ہیں جو کہ شہر کے بازار اور گلیوں میں گھومتے رہتے ہیں ان کو اسی مجذوبانہ حالت میں حرمِ نبوی شریف کی طرف آتے ہوئے مدینہ شہر میں دیکھا تو دیکھتے ہی بے ساختہ خیال کیا کہ ان کی یہاں تک رسائی ہے کہ یہ مدینہ پہنچ گئے ہیں کہ دفعتاً پیچھے

سے تیزی سے سیدی فضل الرحمٰن آئے اور اپنا ہاتھ ان کے بازو سے مس کرتے ہوئے کہا کہ "یہاں پر ہماری حکومت ہے" اور وہیں آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو کراچی میں بستر پر موجود ہوں۔ خواب پر غور کرنے لگا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمارے علاقے والے مجذوب کی پہنچ تو ہے لیکن چونکہ مجذوب ہیں اور ظاہری طور پر پابندِ شریعت نہیں ہیں لہٰذا حکومت شریعت والوں کی ہے۔ میں عمرے سے فراغت کے بعد مدینۂ منورہ پہنچا اور قبلہ حضرت صاحب سے تنہائی میں ملاقات ہوئی تو سب کچھ عرض کر دیا کہ حضور ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ تو آپ نے کسی چیز کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ پھر یہاں کویت آنے کے کچھ عرصے بعد میں نے ایک اور خواب دیکھا کہ حضرت صاحب کے آستانے پر لوگ جمع ہیں، لنگر جاری ہے اور حضرت تھوڑی اونچی چارپائی پر تشریف رکھتے ہیں، حاضرین مختلف قسم کے کھانوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ میں جونہی قریب ہوا تو مسکرا کر فرمانا لگے کہ "مدینہ کی قطبیت میرے پاس ہے" سبحان اللہ۔ اتنے واضح الفاظ کے بعد اب تو شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی۔ میں نے دوسرے دن فون کیا اور سب ماجرا آپ کے حضور عرض کر دیا۔ ویسے بھی اکثر خواب میں شرف زیارت عطا فرماتے رہتے تھے لیکن ان دو مذکورہ خوابوں کے بعد تو مزید کسی تعبیر کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی اور ہاں اپنے ان مہربان بزرگ سے بھی عرض کر دیا کہ اب آپ کے انکشاف کی تصدیق بھی چونکہ ہو گئی ہے لہٰذا اب نہ ماننے والی بات کہنا غلط ہو گا۔ بس پھر کیا تھا منگتے تو پہلے بھی تھے لیکن ابھی زیادہ دامن پسار دیا اور ادھر سے بھی نوازشات میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ کبھی بھی کسی عرض گذاشت پر مایوس نہیں فرمایا، بہت کچھ طلب کیا اور بہت زیادہ عطا ہوئی۔ یہ ارادت والا بھی ایک عجیب رشتہ ہے جس میں جتنی زیادہ نیاز مندی ہو گی اتنی ہی زیادہ لذت آشنائی ہو گی۔

حضرت پیر فضل الرحمٰن صاحب قبلہ مستجاب الدعوات کے ساتھ ساتھ صاحبِ کرامت بھی تھے، جس کا وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہتا تھا اور ہم پیر بھائی ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں بھی اپنی آپ بیتی ہی بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یوں تو مدینۂ طیبہ سے آتے وقت آخری مرتبہ جب آپ سے الوداعی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو اس وقت اپنی عجیب حالات ہوتی۔ آپ بھی آئندہ حاضری کی نوید سنا کر ڈھارس بندھاتے اور دعاؤں سے بھی نوازتے جاتے اور ساتھ میں آواز بھی بھرا جاتی لیکن جس مرتبہ میری والدہ محترمہ بھی میرے ساتھ عمرہ کے لیے گئی تھیں جب ملنے کے لیے حاضر ہوا اور الوداعی اجازت چاہی تو دیگر دعاؤں کے ساتھ اس مرتبہ بلند آواز کے ساتھ "فاللہ خیر حافظا وھوالرحمٰن الرحیم" آپ کی زبان پر جاری ہو گیا۔ کمرے سے نکلتے وقت اور باہر مین گیٹ سے باہر آنے تک میرے کانوں میں یہی آواز آتی رہی۔ کچھ شک سا محسوس ہوا کہ خدا خیر کرے اس دفعہ ان حفاظتی کلمات کی حضرت صاحب زیادہ ہی تکرار فرمارہے ہیں لیکن پھر وہ جدائی کا منظر غالب آگیا۔ حقیقت اس وقت سامنے آئی جب ہم مدینہ شریف سے سوار ہو کر احرام باندھ کر مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریباً آدھے راستے میں بس کا حادثہ رونما ہوا۔ پوری بس ایک دم الٹ گئی چونکہ رفتار سے تھی سامنے پہاڑی کے موڑ سے ٹکرائی، بے قابو ہو کر اوپر بلند ہوئی اور الٹ گئی۔ والدہ صاحبہ میرے ساتھ کھڑکی والی سیٹ پر تھیں اور اسی طرف بس الٹی، کافی لوگ زخمی ہوئے خون آلود منظر تھا، آہ و بکا تھی، دو آدمی تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے اور دو مزید ہسپتال پہنچ کر دم توڑ گئے لیکن بفضل تعالیٰ حضرت صاحب کی غائبانہ دعاؤں کی برکت سے ہمیں خراش تک نہیں آئی۔ والدہ محترمہ اللہ ان کی زندگی میں مزید برکت دے (آمین) کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ تھے کہ "مدینے والے نے مجھے اور میرے بیٹے کو بچالیا۔" میں جلدی سے انہیں بس سے نکال کر بس سے دور لے گیا تا کہ وہ زیادہ زخمیوں کو نہ دیکھیں لیکن وہ مسلسل یہی رٹ لگائے جارہی تھیں کہ "مدینے والے نے بچالیا، مدینے والے نے بچالیا۔"

ایک دفعہ یہاں کویت میں مجھے گردے میں پتھری کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، ہسپتال گیا ایکسرے کرایا کڈنی اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے لینز کا آپریشن تجویز کیا جو کہ آج کل زیادہ ممالک میں مروج ہے لیکن ہسپتال کے جس شعبے میں آپریشن

ہوتے ہیں، وہاں پر تاریخ کے لیے گیا تو تین مہینے سے پہلے کی کوئی تاریخ خالی نہ تھی۔ متعلقہ حضرات کی بڑی منت سماجت کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ الٹا کوسنے لگے کہ اگر زیادہ اصرار کیا تو تمہاری فائل باہر پھینک دیں گے۔ میرے پاس اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ گھر آکر مدینۂ منورہ حضرت صاحب کو فون کیا اور ساری صورتِ حال عرض کر دی تو فرمانے لگے کہ اتنی زیادہ تکلیف ہے اور مواعد نہیں دے رہے۔ میں ابھی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جاتا ہوں، عرض کرتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ دوسرے دن ہسپتال سے فون آگیا کہ "تم آکر اپنا نمبر لے لو اور آپریشن کرا لو۔ تمہاری باری آگئی ہے۔"

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک درویش سائیں محمد خان رہتے ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے سلسلۂ طریقت سے وابستہ ہیں۔ کبھی کسی وقت پاکستان پولیس میں تھانیدار تھے لیکن آج کل مدینۂ عالیہ میں ننگے پاؤں چلتے ہیں اور سیدنا حمزہ رحمۃ اللہ علیہ (کی مرقدِ مبارک پر) پیدل جاتے ہیں، مقبولانِ بارگاہ میں سے ہیں۔ وہ حضرت صاحب کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی رحلت پر بڑے افسردہ ہیں۔ مجھے کہنے لگے کہ شیر زمان تم خوش نصیب ہوا ابھی ابھی تازہ زیارت کر کے گئے ہو ورنہ آپ کی کراچی والی صاحبزادی تو بے چاری ویزہ، ٹکٹ کی پابندیوں کے باعث آخری دیدار بھی نہ کر سکیں۔

آپ کی کس کس بات کا ذکر کیا جائے اور کون سی چھوڑ دی جائے؛ اختصار ملحوظِ خاطر ہے، اب تو یادیں ہی رہ گئی ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والے تھوڑے سے وقت میں ہی اپنا گوہرِ مراد حاصل کر جاتے ہیں لیکن سالہا سال سے رہنے والے یہاں کے مقیم کو وہ چیز نصیب نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اخلاص کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، ورنہ اگر کسی مدنی میں اخلاص زیادہ ہو تو جیسا کہ بعض ہستیوں کو نصیب ہوا ہے تو یہ تو نور علی نور ہیں۔ اور ان کی برابری بھلا کون کر سکتا ہے کیونکہ ایک حدیث شریف میں سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلِ مدینہ کو اپنے اہلِ بیت تک فرمایا ہے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری علیہ الرحمۃ کے خانوادے کے کسی فرد کا حضرت ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت امیرِ ملت کا ایک خادم تھا جو کہ سردیوں کی ٹھنڈی رات میں تہجد کے وقت آپ کی خدمت میں گرم پانی کا لوٹا پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس خادم نے کسی صاحبزادے کے بارے میں شکایت کر دی، تو آپ اس صاحبزادے سے ناراض ہو گئے۔ چند دنوں بعد صاحبزادے نے عرض کی حضور میں آپ کی اولاد ہوں اور وہ آپ کا خادم۔ تو حضرت قبلہ امیرِ ملت کی سمجھ میں بات آگئی اور آپ راضی ہو گئے کہ اگر اہلِ خانہ میں سے کوئی آدمی خدانخواستہ خراب ہو بھی جائے تو اسے گھر سے تو نہیں نکالا جاتا۔ سبحان اللہ۔ ایک ایک واقعے میں کتنی سبق آموز نصیحتیں ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ نے ماشاء اللہ اولاد کی خوب اچھی تربیت فرمائی ہے۔ پسماندگان میں آپ نے صاحبزادیوں کے علاوہ دو صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر رضوان اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن (ایم بی بی ایس) چھوڑے ہیں۔ ماشاء اللہ دونوں ہی مجسمۂ اخلاق ہیں۔ بڑے صاحبزادے حبیب الرحمٰن صاحب جو کہ مجذوب تھے اور جن پر سکتے کا غلبہ طاری رہتا تھا وہ تو آپ کو حیات ہی میں داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ مذکورہ دونوں صاحبزدگانِ والا شان شادی شدہ ہیں اور ماشاء اللہ صاحبِ اولاد ہیں۔

ڈاکٹر رضوان کے بڑے صاحبزادے کا نام بڑے حضرت کے نام پر ضیاء الدین رکھا گیا ہے اور گھر میں سب انہیں ضیا کے نام سے پکارتے ہیں اور ڈاکٹر خلیل صاحب کے صاحبزادے کا نام حضور سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی مبارک نسبت سے حمزہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سیدی ابو ضیاء اور سیدی ابو حمزہ کی عمریں دراز فرمائے اور ان کو حضراتِ اقطاب مدینہ کے زیادہ سے زیادہ فیوض وبرکات سے نوازے (آمین)، خصوصاً میں محترمی ومکرمی دکتور ابوضیاء صاحب جو کہ قبلہ حضرت کے ابھی جانشیں ہیں اور علما ومشائخِ مدینہ کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی ہو چکی ہے۔ ماشاء اللہ بالکل حضرت کے مظہر ہیں۔ عربی کی چند کتابوں کے مصنف بھی

ہیں۔ آپ ایک باذوق شیخ اور رقیق القلب انسان ہیں اور حضرت کے احباب سے بڑی شفقت اور گرم جوشی سے پیش آتے ہیں اور قبلہ سیدی والد کی طرح مشائخ مدینہ سے آپ کے بھرپور روابط ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں یہاں کویت سے فضیلۃ الشیخ حضرت الحاج سید یوسف ہاشم الرفاعی صاحب جب مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ان سے بڑے تپاک سے ملے اور سید صاحب کی گھر پر دعوت کی۔ محترم رفاعی صاحب آپ کی بڑی تعریف فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہر قسم کے شیاطین، حاسدین اور مخالفین کے شر اور مکروہات سے پناہ میں رکھے (آمین) بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مدینۃ المنورہ میں حضرت کے انتقال کے ایک گھنٹے کے اندر ہی ہمیں یہاں کویت میں اطلاع دے دی گئی۔ ایک دفعہ تو سنتے ہی سکتہ سا آگیا اور بآواز بلند اناللہ وانا الیہ راجعون زبان سے نکلا۔ میں دم بخود ہو گیا پھر دیر تک روتا رہا کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ ابھی عید الفطر پر ملاقات سے مشرف ہوا اور دعائیں لے کر واپس لوٹا تھا اور ابھی شوال ہی کا مہینہ بھی تھا بلکہ آنے کے بعد دو مرتبہ پھر فون پر شرفِ گفتگو حاصل کیا اور دعائیں بھی لیں۔ آپ کی علالت کی ظاہری حالت اور ضعف کو دیکھ کر لگتا تو ایسے ہی تھا کہ ابھی یہ صدمہ بھی سہنا پڑے گا لیکن اتنی جلدی کی بھی امید نہ تھی لیکن پھر ہوا وہی جو کہ قدرت کو منظور تھا اور یہ کہ آپ کی اچھے اوقات اور مقدس مقامات پر مانگی گئی دعائیں رنگ لائیں۔ عزت کی زندگی، شان وایمان کی موت اور قیامت تک کے لیے بجوارِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مرقد بقیع شریف میں غریقِ رحمت ہوئے۔

چند سال پیشتر احقر کے والد مرحوم کا پاکستان میں حادثہ ہوا اور مجھے یہاں کویت میں اطلاع دی گئی تو میں جس کمپنی میں کام کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر گھر چلا گیا کیونکہ کمپنی والے زیادہ چھٹی دینے پر راضی نہیں تھے۔ راولپنڈی پہنچ کر ہسپتال سے فون کر کے حضرت کو دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت صاحب نے دعا تو فرمائی لیکن اشارتاً ایک ایسا جملہ بھی فرمادیا جس سے والد مرحوم کے صحت یاب ہونے کی امید نہیں تھی حالانکہ ظاہری طور پر ڈاکٹروں کا بڑا اچھا علاج جاری تھا اور روز بروز امید افزا نتائج سامنے آرہے تھے۔ والد صاحب ہوش میں بھی آگئے تھے، لوگوں کو پہچاننا بھی شروع کر دیا تھا۔ خون اور گلوکوز کی نالیاں اتار کر ہلکی غذا بھی شروع کرادی گئی تھی اور بات چیت بھی کرنے لگے تھے، حتیٰ کہ ڈاکٹروں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ایک دو دن کے بعد آپ لوگ اپنا مریض بے شک گھر لے جائیں۔ ابھی یہاں پر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ڈاکٹروں کی موجودگی میں آکسیجن وغیرہ کے ہوتے ہوئے اٹیک ہوا اور آپ جاں بحق ہوگئے۔

عوام الناس کے علاوہ علماو مشائخ کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنی اولادوں کو کسی اچھے شیخ سے بیعت کرائیں تاکہ ان کی دنیا وعاقبت سنور جائے۔ مجاہدِ اہلِ سنّت عالمِ باعمل حضرت مولانا الحاج ابوداؤد محمد صادق صاحب قادری الرضوی نے اپنے دونوں صاحبزادوں الحاج مولانا محمد داؤد رضوی اور حاجی محمد رؤف مسلم کو حضرت قبلہ مدنی سے داخلِ سلسلہ کرایا۔ حضرت کے محبین میں سے آپ کے ایک محبِ صادق حضرت الحاج پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب علی پوری علیہ الرحمۃ کا تذکرہ نہ کرنا گویا آپ کے حالات کو نامکمل کرنے کے مترادف ہوگا کیونکہ حضرت کی ڈاک لانا، خطوط پڑھ کر سنانا اور پھر جواب لکھنا جیسی خدمات بھی حضرت نے اپنے اس خادم کے ذمّے لگار کھی تھیں۔ حضرت کی طرف سے اگر ایک مکتوبِ گرامی سید صاحب کو جاتا تھا تو ادھر سے جواباً ایک درجن کی تعداد آتی تھی۔ کبھی نارووال سے، کبھی علی پور سے، کبھی سیالکوٹ سے اور کبھی لاہور سے۔ جہاں بھی آپ جاتے یہی مکتوب میں تحریر ہوتا تھا کہ ابھی ابھی آپ کا محبت نامہ نواز ہوا۔ گرامی نامے کو پڑھ کر دل کو فرحت ہوئی اور جواب حاضرِ خدمت ہے۔ سبحان اللہ فی اللہ محبت کرنے والی کیسی کیسی شخصیات تھیں۔ حضرت کی لاہور تشریف آوری پر سید صاحب نے اپنے لاہور

والے مکان کی چابی آپ کو پیش کر دی کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ جب بھی تشریف فرما ہوں اپنے اس مکان پر ہی قیام فرمائیں اور جیسی مرضی ہو اس کا تصرف فرمائیں۔ ایسے مخلص لوگوں کے اب تو صرف تذکرے ہی باقی رہ گئے ہیں۔

تونسہ شریف بھی آپ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ کے ساتھ آپ کے اچھے مراسم تھے۔ چشتیاں شریف کے حضرت نور جہانیاں صاحب اور اجمیر شریف کے ایک بزرگ جنہیں سیدی ضیاء الدین علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ میرے گدائے خواجہ کہہ کر پکارتے تھے کے ساتھ بھی آپ نہایت ادب واحترام کے ساتھ ملتے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیرہ شریف والے جب آپ کے ہاں حاضر ہوئے تو ان کی دونوں ملاقاتوں کا میں دیدنی گواہ ہوں۔ ہر دفعہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھ بڑے پرتپاک طریقے سے ملے اور آپ نے پیر صاحب کی خوب مدارت کی۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمۃ کے متعلق قبلہ سیدی ضیاء الدین کا ہی قول دہراتے تھے کہ ہمارے نورانی میاں میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک جھکتے نہیں اور دوسرے بکتے نہیں۔ دونوں حربے مختلف ادوار میں آپ پر آزمائے گئے لیکن آپ ثابت قدم رہے۔ حاجی حنیف طیب صاحب جن دنوں وفاقی وزیر تھے جب آپ کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں نصیحتاً فرمایا کہ آپ اور آپ کی حکومت کے حق میں یہ بہتر ہے اور حالات کا تقاضا بھی یہ ہے کہ آپ لوگ سعودی حکومت کے ساتھ اچھے تعلقات بنا کر رکھیں۔ ایک دفعہ عید الفطر کے موقع پر محفل کے دوران حضرت علامہ الحاج مفتی اختر رضا خاں صاحب الازہری بریلوی تشریف لائے اور بجائے آگے آنے کے جہاں پر جگہ ملی وہاں ہی بیٹھ گئے تو حضرت صاحب نے بلند آواز سے فرمایا کہ ''صدر صدر ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی بیٹھ جائے۔'' مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم، کراچی، کے انتقال پر ان کے صاحبزادے کوکب نورانی کے نام ایک مفصل تعزیتی مکتوب تحریر فرمایا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حضرت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم بانی مرکزی مجلس، رضا اکیڈمی، ممبئی اور رضا اکیڈمی لاہور کے کاموں کی تعریف فرمایا کرتے تھے اور گاہے بگاہے حوصلہ افزائی کے لیے مکتوب بھی روانہ فرماتے اور تحائف سے بھی نوازتے۔ آپ کی سخاوت کے سلسلے میں مزید ایک اور واقعہ عرض ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں نوٹوں کا ایک لفافہ پیش کیا جو کہ بند تھا اس میں بالفرض اگر دس دس ریالوں والے بھی نوٹ ہوں تو کافی حجم کا لفافہ نظر آتا تھا لیکن آپ نے کھولے بغیر ہی ایک طرف شکریہ کے ساتھ وصول کیا دینے والے کو دعاؤں کے ساتھ نوازا اور ساتھ ہی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک سید زادے کو پیش کر دیا کہ قبول فرمایئے۔

تازہ واقعہ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ویسے تو الحمد للہ وصال سے قبل بھی کثرت سے متعدد مرتبہ آپ نے اپنے اس محب کو خواب میں شرفِ زیارت سے نوازا اور بعد از وصال بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا لیکن ایک اہم خواب جو گزشتہ روز میں نے دیکھا اس کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ پاکستان جب بھی آیا تو میرا یہ معمول تھا کہ واپسی پر یہاں کے چھوٹی مکھیوں کے شہد کی ایک بوتل لے جاتا اور آپ کی خدمت میں پیش کرتا اور آپ فرماتے کہ یہ اصل شہد لایا ہے۔ اس دفعہ خیال تھا کہ ابھی حضرت تو پردہ کر گئے ہیں لہٰذا شہد نہیں لے جاؤں گا تو حضرت صاحب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت کے ہاں وہی شان و شوکت کے ساتھ محفل انعقاد پذیر ہے۔ لوگ مختلف قسم کے انواع واقسام کے طعام سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مجھے آپ نے اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے اور شفقت فرما رہے ہیں اور میں دل ہی دل میں نادم ہو رہا ہوں کہ ''پہلے تو میں ہر سال شہد لایا کرتا تھا اس دفعہ کیوں نہیں لایا؟ ایسے ہی کسی نے غلطی سے مجھے بتایا تھا کہ حضرت صاحب اب نہیں ہیں حالانکہ حضرت الحمد للہ وہی پرانی شان و شوکت کے ساتھ رونق افروز ہیں اور وہی کرم نوازیاں فرما رہے ہیں'' اور خواب سے بیدار ہو گیا۔

* * * * *